ماہنامہ

مُحدِّث

بنارس

ستمبر و اکتوبر ۲۰۲۳ء ◆ صفر و ربیع الاول ۱۴۴۵ھ

قرآن مجید کو اللہ نے تدبر اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے	۲
کعبہ کے سایے میں بین الاقوامی مسابقۂ قرآن کریم	۷
آرمگڈون اور جنگ عظیم (مختصر تقابلی جائزہ)	۲۷
علوم نافعہ کے آثار باقیہ	۳۷
زنا و بدکاری کے چند اسباب اور اس سے بچنے کی چند تدبیریں	۵۶

دار التالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدث بنارس

صفر وربیع الاول ۱۴۴۵ھ
ستمبر واکتوبر ۲۰۲۳ء

جلد: ۴۰
شمارہ: ۹-۱۰

اس شمارہ میں

۱-قرآن مجید کو اللہ نے تدبر اور نصیحت......	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲-ہر بدعت گمراہی ہے اس سے بچو	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۴
۳-کعبہ کے سایے میں بین الاقوامی مسابقہ......مدیر		۷
۴-سنن رواتب کے احکام ومسائل	ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر	۱۱
۵-آرمگڈون اور جنگ عظیم	عبدالعلیم سلفی	۲۷
۶-شیخ محمد عزیر شمس اور حالی شناسی	ڈاکٹر حشر الدین	۳۲
۷-علوم نافعہ کے آثار باقیہ	ڈاکٹر عبدالکریم الرحیلی	۳۷
۸-کلام اقبال پر جوش ملسیانی......	دانش جمال	۴۴
۹-زنا وبدکاری کے چند اسباب......	محمد محب اللہ محمدی	۵۶
۱۰-ٹھنڈی تھی جس کی چھاؤں وہ دیوار گر گئی	طارق اسعد	۶۲
۱۱-اخبار جامعہ	مولانا دل محمد سلفی	۷۰
۱۲-باب الفتاویٰ	مولانا نور الہدیٰ سلفی	۷۹

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپئے
خصوصی تعاون:	1000	روپئے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپئے

مراسلت کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

قرآن مجید کو اللہ نے تدبر اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے

عبداللہ سعود سلفی

اللہ کا فرمان ہے: كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (ص:۲۹) یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت کریمہ کے اندر اللہ کی کتاب قرآن مجید کے نازل کئے جانے اور اس کی خصوصیات کا بیان ہے۔ یہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ بابرکت ہے۔ اس کے پڑھنے کا ثواب ہے۔ اس کتاب میں کائنات کی خلقت اور اس کے رموز کا ذکر ہے، پچھلی قوموں کا تذکرہ ہے۔ اللہ کے نظام کا بیان ہے۔ انسان کو اس دنیا میں کیسے رہنا ہے یہ بتایا گیا ہے اور اس نظام دنیا کے خاتمہ اور اس کے بعد کی دنیا یعنی آخرت کی تفصیل ہے۔ اگر انسان اس آسمانی کتاب، اللہ کے کلام پر غور و تدبر کرے تو اس پر کائنات کی حقیقت کا راز کھلتا جائے گا۔ اور آخر میں یہ فرمایا کہ عقلمند لوگ قرآن کے مطالعہ سے نصیحت حاصل کریں۔

ایک عقلمند مسلمان کا اللہ کی کتاب کی حقانیت پر ایمان کامل ہونا چاہئے۔ قرآن مجید کا احترام کریں۔ اس کے معانی اور رموز کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی قرآنی احکامات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے۔ وہ صادق اور مصدوق اور اپنے وعدوں کا پکا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُواْ فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ (اعراف:۹۶) اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، مگر انہوں نے جھٹلا دیا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔

سورۂ انعام آیت نمبر (۱۵۵) میں فرمایا: وَهَـذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُواْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. اور یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے ایک برکت والی کتاب ہے پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں جن میں اسے سمجھ کر پڑھنے اور اس میں غور کرنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب موجود ہے، مگر افسوس تو اس کا ہے کہ مسلمان خاص طور پر اس قرآن مجید کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے دور

ہیں۔

آج جولوگ قرآن پرغور کرتے ہیں وہ مسلمان ہوجاتے ہیں اور مسلمانوں میں بھی لوگ اپنے عقائد کی اصلاح کر لیتے ہیں۔ یہ قرآن اپنے نزول کے وقت سے لے کر دنیا کے وجود تک اپنی اصلی حالت پر باقی رہے گا اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے جس کو فنا نہیں ہے اور وہی اس کی حفاظت کی بھی ذمہ داری لئے ہوئے ہے۔ فرمایا ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر:۹) ہم نے ہی اس ذکر یعنی نصیحت حاصل کرنے والی کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی ہیں جو اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے کیوں کہ محمد ﷺ اور ان کی قوم کی زبان عربی تھی۔ دنیا کی تمام کتابوں میں سب سے بلیغ اور سلیس زبان میں نازل ہوا ہے جس کو دنیا کی ہر زبان والے انسان پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔ دنیا کی اکثر زبان والے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے وتفسیر موجود ہیں۔ اب تک کسی نے نہیں کہا کہ ہم قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ غیر مسلم سائنس داں بھی اس کی حقانیت کے قائل ہیں۔ اس بلیغ وفصیح کتاب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ان پڑھ امی نبی کے ذریعہ انسانیت کو پہنچایا ہے، یہ ایک واضح اور کھلا ہوا معجزہ ہے۔ خود مکہ والے حیران تھے کہ جو لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتا وہ ایسا کلام کہاں سے لا رہا ہے جس کو سن کر لوگ مسلمان ہوجاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے اسی قرآن میں فرمایا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (قمر:۳۲) ہم نے قرآن کو ذکر یعنی نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے پس کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔

کاش مسلمان قرآنی نصیحتوں کو سمجھتے اور قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرتے، اپنے بچوں کو اس کا علم سکھاتے تاکہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ ان کو تاج پہنا کر سب کے سامنے ان کی عزت وتکریم کرے اور اپنی خاص رحمتوں اور غفران سے نوازے۔

☆☆☆

درس حدیث

ہر بدعت گمراہی ہے اس سے بچو

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

عن عرباض بن سارية، قال: صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر، ثم أقبل علينا، فوعظنا موعظة بليغة، ذرفت لها العيون، ووجلت منها القلوب، قلنا أو قالوا: يا رسول الله، كأن هذه موعظة مودّع، فأوصِنا .قال: "أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم يرى بعدي اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وإن كل بدعة ضلالة. (مسند أحمد: ١٧١٦٦ واللفظ له، وأبو داود: ٤٦٠٧ وصححه الألباني)

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، پھر وہ ہماری جانب متوجہ ہوئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں ایک فصیح و بلیغ نصیحت کی، جس کو سن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں پر خوف طاری ہو گیا، تو ہم نے کہا اے اللہ کے رسول گویا یہ کسی الوداع کہنے والے کی نصیحت ہے تو آپ ہمیں وصیت فرما دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے حکمرانوں کی باتوں کو سننے اور ان کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں گرچہ تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ بن جائے کیوں کہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ اپنی آنکھوں سے میری وفات کے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا تو ایسی حالت میں تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور تم ان کو نہایت ہی مضبوطی کے ساتھ اپنے دانتوں سے پکڑ لینا اور ہر قسم کی بدعت سے دور رہنا کیونکہ دین میں ہر ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔

حدیث مذکور میں ہمارے رسول ﷺ کی اپنی امت کے تعلق سے محبت و اپنائیت، نصح و خیر خواہی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کی بھلائی کے لئے بے حد حریص تھے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایک دن نہایت ہی فصیح و بلیغ انداز میں نصیحت کی جس کے اثر سے صحابہ کرام کی آنکھیں تر ہو گئیں اور ان کے دل خوفزدہ ہو گئے اور یہ معلوم ہونے لگا کہ اب انہیں چھوڑ کر جانے والے ہیں لہٰذا موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے ایک درخواست کر دی کہ اے اللہ کے رسول ہمیں جاتے جاتے کچھ نصیحت فرما دیں جس کی روشنی میں ہم آئندہ کی زندگی بخیر و عافیت گزار سکیں، تو آپ ﷺ نے انہیں چند اہم باتوں کی نصیحت فرمائی جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ہر حال میں ہر جگہ اللہ رب العالمین کا تقویٰ اختیار کرنا یعنی اس کے احکام کی اطاعت کرنا اور اس نے جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے دور رہنا، جنت میں لے جانے والی چیزوں کا اہتمام کرنا اور جہنم میں لے جانی والی چیزوں سے کلی طور پر اجتناب کرنا۔

۲- اپنے حکمرانوں کی ہر حال میں اطاعت و فرمانبرداری کرنا بشرطیکہ اس میں اللہ رب العالمین کی معصیت کا حکم نہ ہو اور ان کے خلاف ہر قسم کی بغاوت سے پرہیز کرنا کیونکہ جو لوگ حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اس کے نتائج بے حد خطرناک ہوتے ہیں، لوگوں کی عزت و آبرو، جان و مال سب برباد ہو جاتے ہیں، پوری کی پوری قوم ہلاک کر دی جاتی ہے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

۳- مسلمانوں کے درمیان جب اختلاف و انتشار ہو جائے تو نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم) کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس پر نہایت مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہنا۔

۴- دین میں ایجاد کردہ ہر بدعت سے دور رہنا اور اس سے اپنے آپ کو بالکل الگ رکھنا کیونکہ ہر بدعت سراسر ضلالت و گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔(وكل ضلالة في النار) سنن النسائي وصححه الألباني.

مندرجہ بالا چار نصیحتیں ایک مسلمان کے لئے مشعل راہ ہیں کہ ہر مسلمان کو اس بات کا ہمیشہ احساس رہنا چاہئے کہ اللہ رب العالمین ہماری ہر حرکت، ہر قول و عمل کو دیکھ اور سن رہا ہے اس سے کوئی بھی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے، تمام چیزیں اس کے علم میں ہیں لہٰذا ہر لمحہ اس کا تقویٰ اختیار کریں، مامورات کا حسب استطاعت اہتمام کریں اور منہیات سے کلی طور پر اجتناب کریں۔

حکمرانوں کی طرف سے جب تک کھلم کھلا اللہ کی معصیت و نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے جیسے شرکیہ و کفریہ اعمال اس وقت تک ان کی اطاعت کرتے رہیں کیونکہ قوموں کی بقا ان کی تعمیر و ترقی حکومت وقت کی اطاعت میں ہے نہ کہ ان کی بغاوت میں حتیٰ کہ حاکم وقت گرچہ کالا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

مسلمانوں کے متفق و متحد رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے وہ ہے کہ سب لوگ اپنے تمام اختلافات کو بھول کر کتاب اور سنت رسول اور سنت خلفائے راشدین کو اپنا لیں، اسی میں ان کے دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی ہے اور اس کے علاوہ جو بھی اتحاد و اتفاق کا نسخہ پیش کیا جائے گا سب بے سود ہوگا۔ سب سے آخری نصیحت جو آپ نے کی وہ ہے بدعت سے کلی طور پر احتراز کرنا کیونکہ یہ سراپا ہلاکت ہے اور جہنم کی آگ میں لے جانے والی ہے لہٰذا تمام قارئین کرام سے التماس ہے کہ ان چاروں نصیحتوں کو وہ اپنی زندگی میں نافذ کریں، دین کے نام پر ہمارے درمیان جو چیزیں رائج ہیں ان سے خود بچیں، اپنے اہل خانہ، رشتہ داروں، پڑوسیوں کو بچائیں خواہ وہ عید میلاد النبی ہو، شب برأت ہو، دسویں محرم ہو وغیرہ۔ یہ سب کام نہ تو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہوئے نہ ہی صحابہ کے دور میں نہ ہی تابعین کے دور میں نہ ہی ائمہ مجتہدین کے دور میں، یہ سب

بعد کے لوگوں نے ایجاد کی ہیں جن کا ثبوت نہ تو کتاب میں ہے نہ ہی سنت میں اور نہ تو قرون مفضلہ سے ملتا ہے نہ ہی صحابہ وتابعین کے اعمال سے لہٰذا ان کے بدعت ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے لہٰذا اس طرح کے تمام رسوم ورواج و بدعت وخرافات سے کنارہ کشی اختیار کریں، اسی میں دین ودنیا کی بھلائی ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سنتوں پر عمل کرنے والا بنائے اور ہر قسم کے بدعی اعمال سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حدیث سے مستنبط مسائل:

۱- تقویٰ تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے خود اپنائیں دوسروں کو اس کی وصیت کرتے رہیں۔

۲- حکمرانوں کی اطاعت ہر شخص پر لازم ہے ان سے بغاوت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

۳- کتاب وسنت کی اتباع اور خلفائے راشدین کی سنت کو اپنانا لازمی ہے تاکہ مسلمانوں کے آپسی تنازعات واختلافات کا خاتمہ ہوسکے۔

۴- دین کے نام پر ایجاد کردہ ہر کام بدعت ہے اور اس سے کلی اجتناب ہر مسلمان پر واجب ہے۔

۵- ہر قسم کی بدعت ضلالت وگمراہی ہے اور اس کا انجام جہنم ہے۔

۶- بدعات میں کوئی بھی بدعت نیکی نہیں ہوتی بلکہ ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے، جس کی وضاحت حدیث (کل بدعة ضلالة) میں موجود ہے۔

☆☆☆

کعبہ کے سایے میں بین الاقوامی مسابقۂ قرآن کریم

مدیر

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مقدس ومتبرک کتاب ہے اور اسلامی دستور بھی ہے۔اس کتاب مقدس کی اہمیت کے پیش نظر پوری دنیا کے مسلمان اس کی قراءت، اس کی ترتیل، حفظ وتجوید اور اس کی آیات پر تدبر وتفکر کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔اس کتاب کی فضیلت واہمیت میں متعدد قرآنی آیات اور احادیث نبویہ وارد ہیں۔اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: **وهذا ذكر مبارك أنزلناه أفأنتم له منكرون** (الانبیاء:۵۰) اور یہ نصیحت اور برکت والا قرآن بھی ہمیں نے نازل فرمایا کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **كتاب أنزلناه إليك مبارك ليدبروا آياته وليتذكر أولو الألباب**. (ص:۲۹) یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔

سورۂ اسراء کے اندر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **إن هذا القرآن يهدي للتي هي أقوم**. (الاسراء:۹) یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے۔

اس طرح کی بے شمار آیات قرآنیہ قرآن کی فضیلت واہمیت اور اس کے منزل من اللہ اور سچی کتاب ہونے پر واضح دلالت کر رہی ہیں۔متعدد احادیث نبویہ بھی قرآن کی اہمیت پر واضح دال ہیں۔اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال لا حسد إلا في اثنتين رجل آتاه الله القرآن فهو يقوم به آناء الليل وآناء النهار ورجل آتاه الله مالا فهو ينفقه آناء الليل وآناء النهار. (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا کیا (یعنی اسے حفظ کرنے اور اس کے اہتمام کرنے کی توفیق دی) پس وہ اس کے ساتھ رات اور دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہے (یعنی اللہ کی عبادت کرتا ہے) اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال ودولت سے نوازا وہ اسے اللہ کی راہ میں دن اور رات کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہے۔

وعن عثمان بن عفان رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ خيركم من تعلم القرآن وعلّمه. (بخاری) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھلائے۔

وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين. (مسلم) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کتاب کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو بلندی عطا فرمائے گا اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل کر دے گا۔

یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ابتدائی چند صدیوں میں ہر جگہ سرخرو کیا اور انہیں بلندیاں عطا کیں، انہیں سعادتوں اور حکومتوں سے سرفراز کیا، اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ قرآن کے اہتمام کرنے والے اور اس کے احکام وقوانین پر عمل کرنے والے تھے، لیکن مسلمانوں نے جب سے قرآن کو چھوڑ دیا اس کے احکام وقوانین کو پس پشت ڈال دیا اسے اپنی عملی زندگی سے خارج کر دیا اور اس پر تدبر وتفکر کو نظر انداز کر دیا تبھی سے ان پر ذلت ورسوائی کا عذاب مسلط کر دیا گیا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے سچ کہا تھا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہوکر

قرآن کریم کی انہی فضیلتوں واہمیتوں کی وجہ سے پوری دنیا کے اندر اسلامی مملکتوں یا غیر اسلامی مملکتوں میں جہاں مسلمان رہتے اور بستے ہیں وہ قرآن کریم سے محبت رکھتے ہیں، اس کی قراءت، حفظ وتجوید اور پڑھنے پڑھانے کا خاص اہتمام کرتے اور اس کے احکام وقوانین پر بھی عمل پیرا ہونے کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ ان ممالک میں سب سے زیادہ قرآن کریم کا اہتمام کرنے والا ملک سعودی عرب ہے۔ یہ وہ اسلامی ملک ہے کہ اس کے شہروں میں سے دو اہم مقدس ومتبرک شہر مکہ اور مدینہ ہیں، یہی دو شہر ہیں جن میں قرآن مقدس کا نزول ہوا، ہمارے نبی ﷺ نے انہیں دو شہروں میں اپنی نبوی زندگی گزاری اور آپ کے پاس جبرئیل امین علیہ السلام قرآن کی آیتیں اور سورتیں لے کر آتے رہے۔

اللہ کے فضل سے مکہ ومدینہ اور پورے سعودی عرب میں اسلامی حکومت قائم ہے اور آل سعود سے تعلق رکھنے والے پاکباز حکمراں کتاب وسنت کے مطابق اپنی حکومت چلا رہے ہیں اور پوری دنیا میں ان کی دینی، علمی ودعوتی خدمات کے آثار نمایاں ہیں، اس حکومت کے زیر اہتمام قرآن کی اشاعت، پوری دنیا میں اس کو پھیلانا، مختلف زبانوں میں ترجمے وتفاسیر کی اشاعت کا اہتمام، قرآن کی تعلیم اور اشاعت کے لئے مملکت کے اندر مختلف یونیورسٹیوں کا قیام، پوری دنیا سے مسلم طلبہ کو بلا کر حکومت کے نفقہ پر ان کی تعلیم وتربیت، علماء، طلبہ ودعاۃ کی کفالت، یہ ساری چیزیں مملکت سعودیہ کی خصوصی خدمات میں شامل ہیں۔ مزید برآں مملکت سعودی عرب کے زیر نگرانی اسلامی ادارہ وزارۃ الشؤون الاسلامیہ (وزارت برائے مذہبی امور) کے زیر اہتمام سالانہ بین الاقوامی مسابقۂ قرآن کریم کا اہتمام بطور خاص قابل ذکر ہے۔

یہ عالمی و بین الاقوامی مسابقۂ قرآن کریم ’’مسابقة الملك عبد العزيز الدولية لحفظ القرآن الكريم وتلاوته وتفسيره ‘‘ سے موسوم ہے۔ یہ مسابقہ اس سال مکہ مکرمہ کے اندر مسجد حرام کے زیر سایہ ۲۵؍اگست ۲۰۲۳ء بروز جمعہ سے شروع ہوکر ۶؍ستمبر ۲۰۲۳ء بروز بدھ اختتام کو پہنچا۔ اس سال اس بین الاقوامی مسابقہ میں ۱۱۷؍ممالک سے ۱۶۶؍حفاظ وقراء شریک ہوئے تھے، کم عمر حفاظ کے ساتھ ان کے گارجین کو بھی شریک ہونے اور ساتھ رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ان تمام حفاظ وقراء کرام اور ان کے ایک رفیق سفر کے سفر اور قیام وطعام اور رہائش کے اخراجات سعودی حکومت نے اٹھایا۔

اس مسابقہ کو کل پانچ زمروں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا زمرہ مکمل حفظ قرآن مع تجوید وقرأت سبعہ، دوسرا زمرہ مکمل حفظ قرآن مع تجوید وشرح مفردات والفاظ قرآن، تیسرا زمرہ مکمل حفظ قرآن مع تجوید وحسن اداء، چوتھا زمرہ پندرہ پارہ مع حفظ وتجوید اور پانچواں زمرہ پانچ پارہ مع حفظ وتجوید پر مشتمل تھا۔

اس بین الاقوامی مسابقۂ قرآن کریم کے انعامات کے لئے چالیس لاکھ سعودی ریال (تقریباً ۸؍کروڑ ۸۰؍لاکھ ہندوستانی روپئے) متعین کئے گئے تھے۔ حفظ وتجوید قرآن کے مسابقے کے انعامات کے لئے یہ خطیر رقم مختص کرنا سعودی حکومت کے پوری دنیا کے مسلمانوں کو حفظ قرآن کریم کے اہتمام کرنے پر ابھارنے کا عظیم اقدام تھا۔ دیگر اسلامی ممالک کو بھی اس قسم کے اقدامات کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان اخراجات کے علاوہ شرکاء مسابقہ کی آمد ورفت کے اخراجات، مکہ ومدینہ میں رہائش خرچ، کھانے پینے اور مختلف مقامات کی زیارت وغیرہ کے اخراجات ان کے علاوہ ہیں۔

اس مسابقہ کی ایک خاص بات یہ تھی کہ پوزیشن لانے والے شرکاء کے علاوہ ہر شریک مسابقہ کو ۵؍ہزار سعودی ریال (ایک لاکھ دس ہزار ہندوستانی روپئے) بھی دیئے گئے۔ ہدایا وتحائف اور اعزازی اسناد اس کے علاوہ ہیں۔

اس مسابقہ کے روح رواں مذہبی امور کے وزیر جناب ڈاکٹر عبداللطیف آل الشیخ نے اپنے ایک بیان میں اس مسابقہ کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ’’سب سے پہلے میں خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی سرپرستی میں اس عظیم الشان مسابقہ کا انعقاد ہو رہا ہے۔ اس مسابقہ کا مقصد پوری دنیا کے مسلمانوں میں قرآن مقدس کے تئیں دلچسپی پیدا کرنا اور نئی نسل کو حفظ قرآن کی طرف راغب کرنا ہے۔‘‘

بلاشبہ سعودی عرب کا یہ اہتمام قرآن کریم پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے عبرت کی چیز ہے۔ قرآن کریم ایک عظیم اسلامی کتاب ہے جو منزل من اللہ ہے، برحق، مقدس ومتبرک اور دستور حیات ہے۔ پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس کے پڑھنے، حفظ کرنے، اس پر تدبر وتفکر کرنے اور اس کو اپنی عملی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ کتاب اتنی آسان ہے کہ اسے چھوٹے چھوٹے مسلم بچے سات آٹھ سال اور دس بارہ سال کی عمر میں آسانی سے حفظ کر لیتے ہیں اور اچھی آواز ترتیل وتجوید اور حسن اداء کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس قسم کے مسابقے کا ہمارے ملک ہندوستان کے اندر بھی کثرت سے اہتمام کرنا چاہئے تاکہ ہم ہندوستانی مسلمان بچوں اور بڑوں کے اندر قرآن پڑھنے اور اس کے حفظ وتجوید کا شوق پروان

چڑھے اور اس مقدس کتاب کے ساتھ ہماری محبت، لگاؤ اور تعلق عام ہو سکے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے لئے بہت ہی خوش آئند بات ہے کہ یہاں زیر تعلیم ایک طالب علم ابراہیم فہیم شہبندری (کلیہ شریعہ اولیٰ) نے اس سال ۲۰۲۳ء کے بین الاقوامی مسابقۂ قرآن کریم کے پانچویں زمرہ میں پورے ہندوستان کی نمائندگی کی اور بفضل الٰہی اس زمرہ میں دوسری پوزیشن سے کامیاب ہوا اور ۶۰ر ہزار سعودی ریال (تقریباً تیرہ لاکھ بیس ہزار ہندوستانی رقم) کے خطیر انعام سے نوازا گیا۔ سعودی امبیسی کی اطلاع پر جامعہ سلفیہ سے اس طالب کی ترشیح کی گئی اور اسے امبیسی کی جانب سے کئی ٹیسٹ کے مرحلے سے گزرنا پڑا، پھر مکہ مکرمہ کے اس مقابلہ میں شریک ہونے کے لئے اس طالب کا انتخاب عمل میں آیا۔ جامعہ کی چہار دیواری میں رہ کر اس طالب نے اچھی تیاری کی، اساتذۂ جامعہ کی نگرانی میں اس نے کافی محنت کی اور اس مسابقہ میں حصہ لینے کے لئے اساتذۂ جامعہ اور اپنے والدین کی دعائیں لے کر سرزمین ہندوستان سے پاک سرزمین مکہ پہنچا اور مسابقہ میں حصہ لے کر اتنی بڑی کامیابی سے سرفراز ہوا۔ اس طالب علم کی کامیابی کی خبر پا کر جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ محترم عبداللہ سعود حفظہ اللہ اور تمام اساتذہ و منسوبین جامعہ بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکرادا کیا۔ مذکورہ طالب کے جامعہ پہنچنے سے پہلے ہی ناظم اعلیٰ حفظہ اللہ نے اس کی آمد پر ایک تکریمی مجلس کے انعقاد کا اعلان کر دیا تھا اور ۹ر ستمبر ۲۰۲۳ء بروز سنیچر بعد نماز ظہر اس مجلس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں اساتذہ، طلبہ، موظفین کے ساتھ شہر بنارس کی کچھ اہم شخصیات نے بھی شرکت کی اور طالب مذکور کو مبارکباد دے کر اس کا حوصلہ بڑھایا۔ جامعہ کی طرف سے اسے ایک اعزازی سند، ایک شیلڈ اور گیارہ ہزار نقد روپئے پیش کر کے اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

دراصل اس پروگرام کا مقصد دیگر طلبہ کے اندر ذوق قرآن پیدا کرنا، ان کے اندر حفظ قرآن و تجوید کا شوق پیدا کرنا اور انہیں بھی اس قسم کے مسابقے کے اندر حصہ لینے پر آمادہ کرنا تھا۔

جامعہ سلفیہ کے اندر باضابطہ تحفیظ قرآن کریم کا ایک شعبہ مدرسہ زید بن ثابت کے نام سے قائم ہے۔ ہر سال یہ شعبہ جامعہ کے اندر بھی مسابقہ قرآن کریم کا اہتمام کرتا ہے اور بچے اس شعبے کے زیر اہتمام مسابقے میں حصہ لیتے اور حفظ و تجوید کا اہتمام کرتے ہیں۔

اللہ کرے کہ قرآن کریم کے تئیں ہمارا یہ اہتمام ہماری قرآن کریم سے محبت کا عظیم ذریعہ ثابت ہو، مسلمانوں نے قرآن سے اپنی دلچسپی اور رغبت کو کم کر دیا ہے، ہماری دلچسپی اور رغبت دوبارہ بڑھ جائے، ہم اپنے بچوں کو قرآن سے جوڑ سکیں اور پھر ہماری عظمت رفتہ واپس آسکے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

سنن رواتب کے احکام ومسائل

ڈاکٹر عبد الصبور ابوبکر
استاد حدیث، جامعہ سلفیہ، بنارس

(دسویں قسط)

قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا:

وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنے کے بارے میں کوئی صریح مرفوع روایت ثابت نہیں ہے، اسی لیے اہلِ علم کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے کہ نہیں۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے۔امام زہری، امام مالک، اوزاعی اور یزید بن ابی مریم وغیرہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے(۱)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن عُلَیّہ سے پوچھا:

"هل رأيتَ أحدًا من أصحابكم يرفع يدَيه في القُنوت في الوتر؟ قال: لا،قلت: ولا يونس، ولا أيّوب؟ قال: لا" (۲).

آپ نے اپنے اساتذہ میں سے کسی کو قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، میں نے کہا: یونس اور ایوب کو بھی نہیں؟ کہا: نہیں۔

لیکن قدیم وجدید علما کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے، انہوں نے متعدد دلیلوں سے استدلال کیا ہے:

الف- احادیث نبویہ:

جواز کے قائلین ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں نماز میں مطلقا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے جیسے:

پہلی حدیث:

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کی قبیلۂ بنو عمرو میں کوئی جھگڑا ہوگیا ہے اس لیے آپ ﷺ کچھ صحابۂ کرام کو لے کر ان میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور صلح کے لیے وہاں ٹھہر گئے ادھر نماز کا وقت ہوگیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ ابھی نہیں آئے تو کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر تم لوگ چاہتے ہو تو پڑھا دوں گا چنانچہ بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہہ کر نیت باندھ لی اتنے میں رسول اللہ ﷺ صفوں کے درمیان چلتے ہوئے تشریف لائے اور پہلی صف میں کھڑے ہوگئے، لوگ تالیاں بجانے لگے، ابوبکر نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہو رہے تھے لیکن جب لوگوں نے کثرت سے تالیاں بجائیں تو پلٹے تو دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے اشارے سے ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں، سہل بن سعد

کہتے ہیں: فرفع أبو بكر يديه، فحمد الله، ورجع القهقرى وراء ه، حتى قام فى الصف" تو ابوبکر نے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور الٹے پاؤں پیچھے لوٹے یہاں تک کہ صف میں کھڑے ہوگئے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"يا أيها الناس، ما لكم حين نابكم شيء فى الصلاة أخذتم فى التصفيق، إنما التصفيق للنساء ، من نابه شيء فى صلاته فليقل: سبحان الله، فإنه لا يسمعه أحد حين يقول سبحان الله إلا التفت .يا أبا بكر، ما منعك أن تصلى للناس حين أشرت إليك؟ فقال أبو بكر رضي الله عنه: ما كان ينبغى لابن أبى قحافة أن يصلى بين يدى رسول الله ﷺ "

اے لوگو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب نماز میں کوئی بات پیش آتی ہے تو تم تالیاں بجانے لگتے ہو، تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے، جسے نماز میں کوئی ضرورت ہو تو وہ سبحان اللہ کہے، پھر ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابوبکر ! میرے اشارہ کرنے کے باوجود تم نے نماز کیوں نہیں پڑھائی؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ابو قحافہ کے بیٹے کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں نماز پڑھائے (۳)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے لیے باب قائم کیا ہے: "باب رفع الأيدى فى الصلاة لأمر ينزل به" نماز میں کوئی بات پیش آجائے تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔

ابن رجب رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"فى الحديث دليل على جواز رفع الأيدى فى الصلاة لمن تجددت له نعمة، فيحمد الله عليها رافعاً يديه؛ فإن هذا فعله أبو بكر بحضرة النَّبيّ ﷺ، ولم ينكره، مع أنه ﷺ أنكر على الناس التصفيح، وأمرهم بإبداله بالتسبيح، وسأل أبا بكر: "ما منعك أن تصلى للناس حين أشرت إليك؟ "ولم ينكر عليهِ ما فعله"(۴).

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی نئی نعمت حاصل ہو تو وہ نماز کی حالت میں ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد وثنا بیان کرسکتا ہے، اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ایسا کیا اور آپ نے انھیں نہیں ٹوکا جبکہ تالی بجانے سے لوگوں کو روکا اور اس کے بدلے تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور ابوبکر سے بھی اس بات پر باز پرس کی کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے کہنے کے باوجود نماز پڑھانا جاری کیوں نہیں رکھا مگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

معلوم ہوا کسی سبب سے اگر کوئی شخص نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح نماز وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دوسری حدیث:

عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن لگا

تو میں نے (دل میں) کہا:

"والله !لأنظرنّ إلى ما حدث لرسول الله ﷺ فی کسوف الشمس، قال: فأتيته وهو قائم فی الصلاة، رافع يديه، فجعل يسبح ويحمد ويهلل ويكبر ويدعوحتى حسر عنها"(۵).

اللہ کی قسم ! میں سورج گرہن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کے عمل کا ضرور مشاہدہ کروں گا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر اور دعا کر رہے تھے یہاں تک کہ سورج گرہن ختم ہوگیا۔

ابن رجب رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

"ويستدل بهذا القول من قال: إنه يرفع يديه فی القنوت فی الصلاة، وهو قول النخعی، والثوری، وأحمد، وإسحاق، ومالك والأوزاعی فی رواية عنهما.وهو الصّحيح عند أكثر أصحاب الشافعي"(۶).

اس حدیث سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت کے قائل ہیں۔ ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، احمد اور اسحاق نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اکثر شافعیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے اور مالک اور اوزاعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ب. آثار صحابہ:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر:

-اسود بن یزید بیان کرتے ہیں:

"كان عبدالله يقرأفی آخر ركعة من الوتر قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة"(۷)، وفی رواية: "أنه كان يرفع يديه فی قنوت الوتر"(۸)، وفی رواية: "كان ابن مسعود يرفع يديه فی القنوت إلى ثدييه"(۹).

عبداللہ بن مسعود وتر کی آخری رکعت میں (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) پڑھتے پھر رکوع سے قبل اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعائے قنوت پڑھتے تھے"، ایک روایت میں ہے: "وہ قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے تھے" اور ایک روایت میں ہے:"وہ قنوت میں اپنی چھاتی تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کا جائزہ:

اس اثر کی سند متکلم فیہ ہے، مذکورہ تینوں روایتوں کا دارومدار لیث بن ابی سُلیم پر ہے جو ضعیف راوی ہے(۱۰)۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ قنوت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے متعلق اس روایت سمیت متعدد روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"هذه الأحاديث كلّها صحيحة عن رسول الله ﷺ"(۱۱).

یہ تمام حدیثیں اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔

اسی طرح لیث کی اس روایت پر امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اعتماد کیا ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت کے جواز کے لیے عبداللہ بن مسعود کے اس عمل کو بطور حجت پیش کیا ہے۔ چنانچہ ان کے بیٹے عبداللہ نے جب قنوت میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں ان سے پوچھا تو فرمایا: "لا بأس به؛ رواه ليث، عن عبدالرحمن بن الأسود، عن أبيه

أن ابن مسعود، كان يرفع يديه فى القنوت"(۱۲).
اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیث نے بسندِ عبدالرحمٰن بن اسود عن ابیہ روایت کیا ہے کہ ابن مسعود قنوت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔
امام اثرم بیان کرتے ہیں:
"كان أبو عبد الله يرفع يديه فى القنوت إلى صدره، واحتج بأن ابن مسعود رفع يديه إلى صدره فى القنوت"(۱۳).
امام احمد قنوت میں سینے تک اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اور اپنے اس عمل کے لیے دلیل دیتے تھے کہ ابن مسعود قنوت میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔
معلوم ہوا کہ لیث بن ابی سلیم اگرچہ ضعیف راوی ہے لیکن امام بخاری اور امام احمد کے نزدیک اس اثر کو بیان کرنے میں اس نے غلطی نہیں کی ہے اور اس کی تائید آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔
-ابراہیم بن یزید نخعی بیان کرتے ہیں:
"أن ابن مسعود كان يرفع يديه فى الوتر، ثم يرسلهما بعد"(۱۴).
ابن مسعود وتر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے پھر بعد میں انہیں چھوڑ دیتے تھے۔
اس اثر کی سند میں انقطاع ہے، ابراہیم کی ملاقات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"إنّ إبراهيم النخعيّ لو روى عن علي وعبد الله لم يُقبل منه؛ لأنه لم يلق واحدًا منهما"(۱۵).
ابراہیم نخعی اگر علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود سے روایت کریں تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان دونوں سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔
بعض اہلِ علم کے نزدیک ابراہیم نخعی کی مرسل روایتیں حجت ہیں خاص طور سے جب وہ عبداللہ بن مسعود سے ارسال کریں، لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"استقر الأمر على أن إبراهيم حجة، وأنه إذا أرسل عن ابن مسعود وغيره فليس بحجة"(۱۶).
ثابت شدہ بات یہ ہے کہ ابراہیم بذاتِ خود حجت ہیں لیکن جب وہ ابن مسعود یا ان کے علاوہ کسی سے بھی ارسال کریں تو حجت نہیں ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر:

-موسیٰ بن وردان روایت کرتے ہیں:
"أنه كان يرى أبا هريرة يرفع يديه فى قنوته فى شهر رمضان"(۱۷).
وہ ابو ہریرہ کو دیکھتے تھے کہ رمضان کے مہینے میں قنوت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔
یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں تین متکلم فیہ راوی ہیں: موسیٰ بن عامر، عبداللہ بن لہیعہ اور موسیٰ بن وردان(۱۸)۔

ج. قنوت نازلہ پر قیاس:

اللہ کے رسول ﷺ سے قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، جواز کے قائلین نے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا

کہ قنوتِ وتر میں بھی ہاتھ اٹھانا جائز ہے کیونکہ مخصوص حالت اور ہیئت میں قنوت ودعا ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خاص وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھنے کے بارے میں کوئی صریح مرفوع حدیث نہیں آئی ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ قنوتِ وتر کو قنوتِ نازلہ پر قیاس کرتے ہیں، نیز ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا بیان ہے''(۱۹)۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"لقد رأيتُ رسولَ اللهِ ﷺ كلَّما صلَّى الغداةَ رفَعَ يَديهِ يَدْعو عليهم"(۲۰).

میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب جب فجر کی نماز پڑھاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر ان پر (یعنی جن لوگوں نے قاریوں کو قتل کیا تھا) بددعا کرتے تھے۔

یہ روایت صحیح ہے، شیخ البانی نے فرمایا:

"هذا إسناد صحيح، رجاله كلهم ثقات؛ رجال الشيخين والأربعة"(۲۱).

یہ سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی کتب ستہ کے ہیں اور ثقہ ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ کا اثر:

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں:

"صلَّيتُ خَلفَ عمرَ بنِ الخطَّابِ رضى الله عنه، فقَنَتَ بعدَ الرُّكوعِ، ورفعَ يَديهِ وجَهَرَ بالدُّعاءِ"(۲۲).

میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، انھوں نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر بلند آواز سے دعا کی۔

جعفر بن میمون تمیمی سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو عثمان النہدی کو کہتے ہوئے سنا:

"كان عمر يرفع يديه فى القنوت"(۲۳).

عمر رضی اللہ عنہ قنوت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جعفر بن میمون کو "صدوق يخطئ" کہا ہے یعنی: یہ راوی صدوق ہے غلطی کرتا ہے (۲۴)۔

بیہقی نے عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو صحیح کہا ہے اور شیخ البانی نے فرمایا:

"وقد ثبت ذلك عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه " یہ عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

د. **سلف صالحین کا عمل:**

متعدد سلف صالحین سے قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے:

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كانوا يستحبون أن تقرأ فى الثالثة من الوتر قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، ثم تكبر وترفع يديك ثم تقنت"(۲۵).

لوگ مستحب سمجھتے تھے کہ تم وتر کی تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھو، پھر تکبیر کہو پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر قنوت پڑھو۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ بیہقی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"كان عبد الله يقنت بعد الركوع فى الوتر وكان يرفع يديه"(۲۶).

عبداللہ بن مبارک وتر میں رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف کے بارے میں ان کے غلام فرَج کہتے ہیں:

"رأيت مولاى أبايوسف إذا دخل فى القنوت للوتر؛ رفع يديه فى الدعاء "(۲۷).

میں نے اپنے آقا ابو یوسف کو دیکھا کہ جب وہ نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنے لگتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھا لیتے۔

عبدالرزاق صنعانی سے ان کے شاگردوں نے پوچھا:

"أترفع يديك إذا دعوت فى الوتر؟ قال: نعم، فى آخره قليلا"(۲۸).

کیا آپ وتر میں جب دعا کرتے ہیں تو ہاتھ اٹھاتے ہیں تو انھوں نے کہا: ہاں ! وتر کے اخیر میں تھوڑی دیر کے لیے اٹھاتا ہوں۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا کوئی وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرسکتا ہے؟ تو انھوں نے کہا:"إذا قنت الرجل يرفع يديه حذو صدره، ورفع يديه فى قنوته فى الوتر"(۲۹).

جب کوئی قنوت پڑھے تو اپنے سینے تک ہاتھ اٹھائے، اور امام احمد قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔

ھ. معاصر علما کے فتاوے:

عصر حاضر کے بہت سارے محققین علما نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، جیسے: شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی، محدث عصر علامہ البانی اور فقیہ امت شیخ ابن عثیمین وغیرہم۔

شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"يجوز أن ترفع اليدان حال الدعاء فى قنوت الوتر عملاً بتلك الآثار كماترفعان فى قنوت النازلة فى غير الوتر لثبوته عن النبى ﷺ" (۳۰).

آثارِ صحابہ پر عمل کرتے ہوئے قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے جیسے قنوتِ نازلہ میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہونے کی وجہ سے اٹھایا جاتا ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كذلك فى قنوت الوتر كان عمر بن خطاب، وعبد الله بن مسعود يرفعون أيضًا أيديهم إذا ما دعوا فى قنوت الوتر"(۳۱).

اسی طرح قنوت وتر میں جب عمر بن الخطاب اور عبداللہ بن مسعود دعا کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من السنّة أن يرفع الإنسان يديه عند دعاء القنوت؛ لأنّ ذلك وارد عن رسول الله ﷺ فى قنوته حين كان يقنت فى الفرائض عند النوازل، وكذلك صحّ عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه رفع اليدين فى قنوت الوتر، وهو أحد الخلفاء الراشدين الذين أمرنا باتباعهم .فرفع اليدين عند قنوت

الوتر سنّة، سواء كان إماماً، أو مأمومًا، أو منفردًا، فكلما قنت فارفعْ يديك"(۳۲).

مسنون طریقہ یہ ہے کہ انسان دعائے قنوت کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے وارد ہے کہ آپ فرض نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھتے وقت ایسا کرتے تھے، اسی طرح امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے بھی قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اور عمر رضی اللہ عنہ ان خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، لہذا قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے چاہے امام ہو یا مقتدی یا کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو، جب جب تم قنوت پڑھو اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ۔

خلاصۂ کلام:

ان مجموعی روایات، اقوال اور فتاوے سے پتہ چلتا ہے کہ قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ نبی کریم ﷺ سے صراحتاً ثابت نہ ہونے اور اہلِ علم کے مابین اختلاف کی وجہ سے اس مسئلہ میں سختی برتنا ٹھیک نہیں ہے۔

دعائے قنوت میں آمین کہنا:

اسحاق بن منصور کوسج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا:

"كيفَ يدعو في الوِتر؟ قال: يدعو الإمامُ، ويُؤَمِّن مَنْ خلفه"(۳۳).

وتر میں کیسے دعا کی جائے؟ انہوں نے کہا: امام دعا پڑھے اور جو اس کے پیچھے ہوں آمین کہیں۔

یہی رائے اسحاق بن راہویہ کی بھی ہے(۳۴) اور اسی کو ابن منذر نے اختیار کیا ہے(۳۵)۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں:

"الذى لا اختلاف فيه أن يدعو الإمام، ويؤمن من خلفه"(۳۶).

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ (وتر میں) امام دعا پڑھے اور مقتدی آمین کہے۔

مھنا بیان کرتے ہیں کہ امام احمد سے پوچھا گیا جو شخص اپنے گھر میں تنہا دعائے قنوت پڑھتا ہے کہ وہ بلند آواز سے قنوت پڑھے یا پست آواز سے؟ امام احمد نے کہا: پست آواز سے کیونکہ امام اس لیے بلند آواز سے قنوت پڑھتا ہے تاکہ مقتدی آمین کہے(۳۷)۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إذا أخذ الإمام فى القنوت أَمَّنَ من خلفه، لا نعلم فيه خلافًا"(۳۸).

جب امام قنوت پڑھنے لگے تو مقتدی آمین کہے، میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں جانتا ہوں۔

قنوتِ نازلہ میں مقتدیوں کا آمین کہنا ثابت ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"قَنَتَ رسولُ الله ﷺ شهرًا متتابعًا فى الظّهر، والعصر، والمغرب، والعشا ، وصلاة الصبح فى دُبُرِ كلِّ صلاةٍ، إذا قال: سمع الله لمن حمده من الركعة الآخرة، يدعو على أحياءٍ من بنى سُلَيم، على رِعْلٍ، وذَكْوَان، وعُصَيَّةَ، ويؤَمِّنُ مَن خلفه"(۳۹).

اللہ کے رسول ﷺ ایک مہینہ تک لگاتار ظہر، عصر،

مغرب، عشا اور فجر تمام نمازوں کے آخر میں قنوت کرتے رہے، آخری رکعت میں جب آپ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے تو بنوسُلیم کے چند قبیلوں رِعْل، ذَکوان اور عُصیّہ پر بدعا کرتے اور پیچھے مقتدی آمین کہتے۔

دعائے قنوت میں آمین کی جگہیں:

امام جب بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھے اور مقتدی تک اس کی آواز پہنچ رہی ہو تو اسے چاہیے کہ آمین کی جگہوں یعنی دعائیہ کلمات پر قدرے بلند آواز سے آمین کہے اور حمد وثنا کے کلمات پر خاموش رہے یا انہیں کلمات کو دہرائے، چنانچہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی دعائے قنوت کے ابتدائی پانچ کلمات یعنی "اللهم اهدنا فيمن هديت، وعافنا فيمن عافيت، وتولنا فيمن توليت، وبارك لنا فيما أعطيت، وقنا شر ما قضيت" پر مقتدی آمین کہے اور اس کے بعد والے تمجیدی کلمات یعنی: "فإنك تقضى ولا يقضى عليك، إنه لا يذل من واليت، ولا يعز من عاديت، تباركت ربنا وتعاليت" پر یا تو خاموش رہے یا اپنے دل میں انھیں دہراتا رہے کیونکہ یہ حمد وثنا کے کلمات ہیں اور "وصلی اللہ علی النبی محمد" پر آمین بھی کہہ سکتا ہے اور اسے دہرا بھی سکتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"يؤمن فى موضع التأمين"(۴۰).

مقتدی آمین کی جگہوں پر آمین کہے گا۔

امام اسحاق بن راہویہ کا سابقہ قول ذکر کرنے کے بعد محمد بن نصر مروزی لکھتے ہیں:

"وهذا الذى أختار أن يسكتوا حتى يفرغ الإمام من قراء ة السورتين، ثم إذا بلغ بعد ذلك مواضع الدعاء أمنوا"(۴۱).

میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ لوگ خاموش رہیں یہاں تک امام دونوں سورتوں کی قراء ت سے فارغ ہوجائے پھر جب وہ دعا کی جگہوں پر پہنچے تو آمین کہیں۔

اگر کوئی شخص دعائیہ کلمات کے ساتھ تحمیدی وتمجیدی کلمات پر بھی آمین کہہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حمد وثنا اور ذکر واذکار بھی دعا کے ضمن میں آتے ہیں، لیکن حمدیہ کلمات پر "حقا" یا "أشهد" جیسے الفاظ کہنے کی کوئی اصل نہیں ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"أفضل الذكر لا إله إلا الله، وأفضل الدعاء الحمد لله"(۴۲).

سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے "الحمد للہ" کو دعا میں شمار کیا ہے۔ اسی لیے اہل علم تمام ذکر واذکار کو دعا کے قبیل سے مانتے ہیں کیونکہ ذکر واذکار بھی درحقیقت کسی چیز کو اللہ سے مانگنے کا ایک انوکھا انداز ہے۔ کہتے ہیں: ہر سوال کرنے والا اللہ کی تعریف کر رہا ہوتا ہے اور ہر تعریف کرنے والا اللہ سے کچھ مانگ رہا ہوتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"إن المُثنِى بنفس ثنائِه سائلٌ بحالِه،

فهو جامع بين الثناء القولي والسؤال الحالي، فهو يقصد الثناء والطلب"(۴۳).

تعریف کرنے والا شخص اپنی تعریف کے ذریعہ اپنی زبان حال سے سوال بھی کررہا ہوتا ہے۔اس طرح وہ زبان قال سے تعریف اور زبان حال سے سوال دونوں چیزوں کو ایک ساتھ جمع کردیتا ہے اور حمد وثنا اور طلب دونوں کا بیک وقت ارادہ کرتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

"الناطق بلفظ الثناء والذكر له ثلاثة أحوال: إما أن يقصد المسألةَ فقط، وإما أن يقصد اللهَ فقط، وإما أن يقصدهما .ثم إنه وإن قَصَدَ أحدَهما فلا بدَّ أن يحصل الآخر"(۴۴).

ذکر واذکار کرنے والے کی تین حالتیں ہوتی ہیں: یا تو وہ صرف سوال کا قصد کرتا ہے یا صرف اللہ کی حمد وثنا کا، یا دونوں کا ایک ساتھ ارادہ کرتا ہے، پھر اگر چہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا قصد کرے تب بھی اسے دوسری چیز لامحالہ حاصل ہوجائے گی۔

ایک جگہ کہتے ہیں:

"كل واحد من الدعاء والذكر يتضمن الآخر ويدخل فيه "(۴۵).

ذکر اور دعا میں سے ہر ایک دوسرے کو شامل اور اس میں داخل ہوتا ہے۔

لہذا اگر کوئی توصیفی اور تمجیدی کلمات پر آمین کہہ دے تو اسے غلط نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اس پر نکیر کی جائے گی، واللہ اعلم۔

تنبیہ:

اگر کوئی شخص اکیلے وتر کی نماز پڑھے تو دعائے قنوت آہستہ پڑھے اور اگر امام ہے تو بلند آواز سے۔اور اگر امام کبھی دعائے قنوت چھوڑ دے یا سری طور پر پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے اور جب کوئی امام آہستہ سے دعائے قنوت پڑھے یا اس کی آواز مقتدی تک نہ پہنچے تو مقتدی کو چاہیے کہ آہستہ سے قنوت پڑھے(۴۶)۔

دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا:

دعائے قنوت کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور سلف صالحین سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، اس سلسلے میں بعض روایتیں ذکر کی جاتی ہیں لیکن وہ تمام روایتیں ضعیف ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"سلوا الله عز وجل ببطون أكفكم ولا تسألوه بظهورها، فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم"(۴۷).

تم اللہ عز وجل سے اپنی سیدھی ہتھیلیوں سے دعا مانگو اور ان کی پشت سے نہ مانگو اور جب دعا سے فارغ ہوجاؤ تو ہاتھوں کو چہروں پر پھیرو۔

اس حدیث کی تخریج کرنے کے بعد ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"روى هذا الحديث من غير وجه عن محمد بن كعب كلها واهية، وهذا الطريق أمثلها، وهو ضعيف أيضًا"(۴۸).

یہ حدیث محمد بن کعب سے متعدد سندوں سے مروی ہے لیکن وہ سب کی سب واہی اور ضعیف ہیں۔ یہ سند سب سے بہتر ہے مگر یہ بھی ضعیف ہے۔

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"اتَّفقُوا عَلَى ضعفه" (۴۹).

اس حدیث کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین متفق ہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

"لم أجد له ثبتاً"(۵۰) مجھے اس مسئلہ میں کوئی بھی مستند روایت نہیں ملی۔

بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما فی الصلاة فهو(یعنی مسح الوجه بالیدین) عمل لم يثبت بخبر صحيح ولا أثر ثابت، ولا قياس، فالأولى أن لا يفعله، ويقتصر على ما فعله السلف رضی الله عنهم من رفع اليدين دون مسحها بالوجه فی الصلاة" (۵۱).

نماز میں چہرے پر ہاتھ پھیرنا نہ تو کسی حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی اثر اور قیاس سے، لہذا بہتر ہے کہ دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ نہ پھیرا جائے اور اسی پر اکتفا کیا جائے جو سلف کیا کرتے تھے یعنی نماز میں دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھایا جائے مگر انھیں چہرے پر نہ پھیرا جائے"۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"وقد يدعو فی آخر تشهده، ولا يرفع يديه، ولا يمسحهما بوجهه، إذ لم يرد بهما أثر؛ فكذا فی دعاء القنوت، يرفع يديه: لورود الأثر به، ولا يمسح بهما وجهه: إذا لم يثبت فيه أثر"(۵۲).

نمازی تشہد اخیر میں دعا کرتے وقت نہ تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتا ہے اور نہ ہی انہیں چہرے پر پھیرتا ہے کیونکہ ان دونوں امور سے متعلق کوئی اثر وارد نہیں ہے۔ البتہ دعائے قنوت میں وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاتا ہے کیونکہ اس کے بارے میں اثر موجود ہے اور ہاتھوں کو چہرے پر نہیں پھیرتا ہے کیونکہ اس کے بارے میں کوئی اثر نہیں آیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما رفع النبی ﷺ يديه فی الدعاء فقد جاء فيه أحاديث كثيرة صحيحة .وأما مسح وجهه بيديه فليس عنه فيه إلا حديث أو حديثان لا يقوم بهما حجة"(۵۳).

بہت ساری صحیح حدیثوں میں نبی کریم ﷺ کا دعا میں ہاتھ اٹھانا مروی ہے، لیکن چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں صرف ایک یا دو مرفوع حدیثیں آئی ہیں اور وہ بھی قابل حجت نہیں ہیں۔

علامہ اثیوبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أحاديث مسح الوجه بعد الدعاء كلها ضعيفة، وإن حاول الحافظ -رحمه الله -فی "بلوغ المرام "فی تحسينها بمجموع الطرق، لكن الذی يظهر لی أنها لا تصلح للاحتجاج بها لشدة ضعفها، فالأرجح عدم مشروعيّة المسح"(۵۴).

دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کی تمام حدیثیں ضعیف ہیں، اگر چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "بلوغ المرام" میں مجموع طرق سے اس کی تحسین کی کوشش ہے، لیکن میرے نزدیک یہ تمام طرق شدت ضعف کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہیں اور راجح یہ ہے کہ چہرے پر ہاتھ پھیرنا جائز نہیں ہے۔

وتر سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا:

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"أنّ رسول الله ﷺ كان يُوتر بِثَلَاث رَكْعَات يقْرَأ فِي الأولى بسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى. وَفِي الثَّانِيَة بـ قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ ، وَفِي الثَّالِثَة بـ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، ويقنت قبل الرُّكُوع فَإِذا فرغ قَالَ عِنْد فَرَاغه: سُبْحَانَ الْملك القدوس ثَلَاث مَرَّات يُطِيل فِي آخِرهنَّ" (۵۵)، وفي رواية: "يمد صوته في الثالثة ثم يرفع"(۵۶).

اللہ کے رسول ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلَى، دوسری رکعت میں قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کی تلاوت کرتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت کرتے اور جب وتر سے فارغ ہوتے تو تین بار "سبحان الملک القدوس" کہتے، تیسری بار کھینچ کر پڑھتے "اور ایک روایت میں ہے کہ " تیسری بار آواز کو کھینچتے اور بلند کرتے"۔

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا:

متعدد صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے وتر کو رات کی آخری نماز بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اجعلوا آخر صلاتكم باللّيل وترًا " (۵۷).

تمہاری رات کی آخری نماز وتر ہو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أوصاني خليلي ﷺ بثلاث: صيام ثلاثة أيام من كل شهر، وركعتي الضحى، وأن أوتر قبل أن أنام(۵۸).

میرے خلیل نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے: ہر مہینے کے تین دن کا روزہ رکھنا، چاشت کی دو رکعت پڑھنا اور یہ کہ میں وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی آخری نماز وتر ہے اور وتر کے بعد رات کی اور نماز نہیں ہے لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے اور امت کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

"كان يصلّي ثلاث عشرة ركعة، يصلّي ثمان ركعات ثم يوتر، ثم يصلي ركعتين وهو جالس .فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم يصلي ركعتين بين النداء والإقامة، من صلاة الصبح"(۵۹).

نبی ﷺ تیرہ رکعت (تہجد کی) نماز پڑھتے تھے، آٹھ رکعت پڑھتے پھر وتر پڑھتے، پھر اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعت

پڑھتے اس طرح کہ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہوجاتے پھر رکوع کرتے، پھر فجر کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھتے تھے۔

یہ بالکل صریح روایت ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا جائز ہے اور یہ دو رکعتیں فجر کی سنت کے علاوہ ہیں اور اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنھوں نے وتر کے بعد کی دو رکعت سے فجر کی سنت مراد لی ہے۔

ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا:

"إنّ هذا السفر جهد وثقل، فإذا أوتر أحدكم؛ فليركع ركعتين(٦٠)، فإن استيقظ، وإلا؛ كانتا له "(٦١).

سفر جہد ومشقت کا نام ہے لہٰذا تم میں سے کوئی جب وتر کی نماز پڑھے تو دو رکعت پڑھے۔ پھر اگر بیدار ہوا تو ٹھیک ورنہ یہ دونوں رکعتیں (تہجد کے لیے) کافی ہوں گی۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد امر کا صیغہ استحباب کے لیے ہے۔

بعض اہل علم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ وتر کے بعد نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (٦٢)۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے لہذا اسے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس پر مداومت نہیں برتی جائے گی آپ ﷺ نے صرف جواز کو بتلانے کے لیے ایسا کیا تھا، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک وتر کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے (٦٣)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ بعض احادیث میں "کان" کا صیغہ وارد ہوا ہے جس سے استمرار کا پتہ چلتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں پر "کان" استمرار کے لیے نہیں ہے اور آپ کا یہ عمل صرف جواز بتلانے کے لیے تھا (٦٤)۔

ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے ثوبان رضی اللہ عنہ والی روایت پر باب باندھتے ہوئے کہا:

"باب ذكر الدليل على أن الصلاة بعد الوتر مباحة لجميع من يريد الصلاة بعده، وأن الركعتين اللتين كان النبى ﷺ يصليهما بعد الوتر لم يكونا خاصة للنبى ﷺ دون أمته؛ إذ النبى ﷺ قد أمرنا بالركعتين بعد الوتر أمر ندب وفضيلة لا أمر إيجاب وفريضة"(٦٥).

اس بات کا بیان کہ وتر کے بعد ہر کسی کے لیے نفل نماز پڑھنا جائز ہے اور یہ کہ وہ دونوں رکعتیں جنھیں نبی کریم ﷺ وتر کے بعد پڑھتے تھے وہ آپ کے لیے خاص نہ تھیں بلکہ یہ حکم امت کے لیے عام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ہمیں وتر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے البتہ یہ فضیلت واستحباب کا حکم ہے فرض وواجب کا نہیں۔

ایک رات میں دوبار وتر کی نماز پڑھنا:

قیس بن طلق بن علی بیان کرتے ہیں:

"زارنا طلق بن على فى يوم من رمضان، وأمسى عندنا وأفطر، ثم قام بنا الليلة وأوتر بنا، ثم انحدر إلى مسجده فصلى بأصحابه، حتى إذا بقى الوتر، قدم رجلاً، فقال: "أوتر

بأصحابك؛ فإني سمعت النبي ﷺ يقول: لا وتران في ليلة"(٦٦).

رمضان میں ایک دن طلق بن علی ہمارے پاس آئے اور شام کے وقت افطار کیا، پھر ہمیں وتر سمیت تراویح کی نماز پڑھائی پھر اپنی مسجد کا رخ کیا اور وہاں جا کر اپنے محلے والوں کو بھی نماز پڑھائی یہاں تک جب وتر بچی تو ایک شخص کو آگے بڑھایا اور کہا اپنے ساتھیوں کو وتر کی نماز پڑھا دو، میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک رات میں دو بار وتر کی نماز نہیں ہے۔

ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

جس نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر کی نماز پڑھ لی پھر آخری پہر میں بیدار ہوا تو کیا وہ نفلی نماز پڑھ سکتا ہے؟ اور وہ کس طرح پڑھے گا؟ اس کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، صحابہ اور تابعین میں سے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ وہ اپنی وتر توڑ دے اس طرح کہ ایک رکعت پڑھ کر اسے جوڑا بنادے اس کے بعد جتنی رکعت چاہے پڑھے اور پھر آخر میں وتر کی نماز پڑھ لے، اس لیے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہے، اسحاق بن راہویہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ جبکہ صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جو ابتدائی شب میں وتر کی نماز پڑھ کر سو جائے پھر آخری رات میں بیدار ہو تو وہ جتنی چاہے نفلی نمازیں پڑھے اسے اپنے وتر کو توڑنے کی ضرورت نہیں اور پہلی وتر کو بغیر کسی اضافہ کے اسی طرح چھوڑ دے اور دوبارہ وتر نہ پڑھے، یہ قول ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، اہل کوفہ اور احمد کا، اور یہی زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ متعدد طرق سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے وتر کے بعد نماز پڑھی ہے(٦٧)۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے ترمذی رحمہ اللہ کا یہ قول کافی وشافی ہے اور جسے امام ترمذی نے راجح قرار دیا ہے اسی قول کو بہت سارے علما نے اختیار کیا ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الوتر آخر الليل أفضل، ومن أوتر أوله فحسن، والصلاة بعد الوتر جائزة، ولا يعيد وترا آخر؛ ولا يشفع بركعة"(٦٨).

آخر شب میں وتر پڑھنا افضل ہے اور جس نے آغاز شب میں وتر پڑھ لی اس نے بھی اچھا کیا اور وتر کے بعد نفلی نماز پڑھنا جائز ہے، دوبارہ وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ایک رکعت پڑھ کر جفت بنانے کی۔

وتر پڑھنے کا افضل وقت:

نماز وتر کا وقت عشا کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے لیکن رات کے آخری پہر میں پڑھنا افضل ہے البتہ جو شخص تہجد کی نماز کے لیے بیدار نہیں ہو پاتا ہے یا جسے اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں جاگ پائے گا اس کے حق میں بہتر ہے کہ عشا کی نماز کے بعد وتر پڑھ لے پھر سوئے اور جسے امید ہو کہ وہ اس وقت بیدار ہو جائے یا رات کے آخری پہر میں اٹھنا جس کی عادت ہو اس کے حق میں وتر موخر کرنا افضل ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَن خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله .ومن طمع أن يقوم آخره فليوتر

آخر الليل .فإن صلاة آخر الليل مشهودة . وذلك أفضل"(۶۹).

جسے خدشہ ہو کہ رات کے آخری حصہ میں نہیں جاگ پائے گا وہ شروع رات میں وتر کی نماز پڑھ لے اور جسے امید ہو کہ وہ بیدار ہو جائے گا وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے اور یہ افضل ہے کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فيه دليل صريح على أن تأخير الوتر إلى آخر الليل أفضل، لمن وثق بالاستيقاظ آخر الليل، وأن من لا يثق بذلك فالتقديم له أفضل، وهذا هو الصواب، ويحمل باقي الأحاديث المطلقة على هذا التفصيل الصحيح الصريح".

حدیث میں اس بات کے لیے صریح دلیل ہے کہ جسے اپنے آپ پر اعتماد ہو کہ وہ رات کے آخری پہر میں بیدار ہو جائے گا اس کے حق میں وتر کو آخری رات تک موخر کرنا افضل ہے اور جسے یہ بھروسہ نہ ہو اس کے لیے مقدم کرنا افضل ہے اور یہی درست بات ہے، اسی صحیح اور صریح تفصیل پر بقیہ مطلق احادیث کو محمول کیا جائے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع صحیح حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وتر کو رات کے آخری پہر تک موخر کرنا افضل ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"ينزل ربنا تبارك وتعالى كلَّ ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر فيقول: من يدعوني فأستجيب له؟ من يسألني فأُعطيَهُ؟ من يستغفرني فأغفرَ له؟"(۷۰).

ہمارا رب ہر رات کو جب اس کا آخری تہائی حصہ باقی بچتا ہے تو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس کی پکار کا جواب دوں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اسے عطا کر دوں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے کہ میں اسے بخش دوں؟۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا "متی توتر؟" وتر کی نماز کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وتر کی نماز پڑھ کر سوتا ہوں اور پھر قیام اللیل کے لیے اٹھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: "أخذت بالحذر" تم نے احتیاط سے کام لیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "متی توتر؟" تم وتر کی نماز کب پڑھتے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں سو جاتا ہوں پھر اٹھتا ہوں اور تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد وتر پڑھتا ہوں، اس پر آپ نے فرمایا: "أخذ هذا بالقوة" انہوں نے عزیمت کو اختیار کیا (۷۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری پہر میں وتر پڑھنا عزیمت ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر کے بعد نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور جس نے آغازِ شب میں وتر کی نماز پڑھ لی اور پھر بیدار ہو کر تہجد کی نماز یا کوئی نفلی نماز پڑھی وہ وتر کو نہیں دہرائے گا۔

حواشی:

(۱) دیکھیے: الاوسط ، ابن المنذر (5/213)، فتح الباری، ابن رجب (9/367)۔

(۲) العلل ومعرفۃ الرجال روایۃ عبداللہ (2/176) رقم (4782)۔

(۳) صحیح البخاری (2/66) قم (1218)، صحیح مسلم 1/317)

(رقم 421)۔

(۴) فتح الباری، ابن رجب(9/366)۔

(۵) صحیح مسلم(2/629) رقم(913)۔

(۶) فتح الباری، ابن رجب(9/367)۔

(۷) اس اثر کو روایت کیا ہے امام بخاری نے جزء رفع الیدین (قرۃ العینین، ص: 68 رقم(96) میں، ابن المنذر نے الاوسط(5/213) رقم(2733) میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر(9/283) رقم(9425) میں، ان تمام لوگوں نے لیث بن ابی سلیم کے طریق سے، وہ عبدالرحمن بن اسود سے، وہ اپنے والد اسود بن یزید سے۔

(۸) مصنف ابن ابی شیبہ(4/526) رقم(7137، 7138)، لیث بن ابی سلیم کے طریق سے۔

(۹) السنن الکبری، بیہقی 5/460) رقم 4929)، لیث بن ابی سلیم کے طریق سے۔

(۱۰) ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: "صدوق اختلط جدا ولم يتميز حديثه فترك ." تقریب التہذیب 5685)۔

(۱۱) جزء رفع الیدین(ص: 69 رقم 96)۔

(۱۲) مسائل الامام احمد روایۃ عبداللہ(ص: 95 رقم 332)۔

(۱۳) المغنی، ابن قدامہ 2/584)،

(۱۴) مصنف عبدالرزاق 5/61) رقم 8200)۔

(۱۵) میزان الاعتدال 1/75))۔

(۱۶) اختلاف الحدیث -مطبوع مع کتاب الام 8/635)۔

(۱۷) السنن الکبری، بیہقی 5/461) رقم 4930)۔

(۱۸) دیکھیے: تقریب التہذیب 6979))، 3563))، 7023)۔

(۱۹) فتاوی(/)۔

(۲۰) مسند احمد 19/394) رقم 12402)، مسند عبد بن حمید کما فی المنتخب 2/271) رقم 1274)، مستخرج ابی عوانہ 15/348) رقم 7788)، یہ روایت صحیح ہے۔

(۲۱) صفۃ صلاۃ النبی الأصل 3/957)۔

(۲۲) السنن الکبری، بیہقی 4/157) رقم 3193)، یہ اثر صحیح ہے۔

(۲۳) جزء رفع الیدین، بخاری(ص: 68 رقم 95)، الاوسط، ابن منذر 5/213) رقم 2731)۔

(۲۴) تقریب التہذیب 961))۔

(۲۵) مختصر قیام اللیل، مروزی(ص:320)،

(۲۶) السنن الکبری، بیہقی 2/301) رقم 3152)۔

(۲۷) مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ(ص: 67)، فتح القدیر، ابن ہمام 1/430))۔

(۲۸) مصنف عبدالرزاق 3/395)۔

(۲۹) مسائل الامام احمد -روایۃ ابنہ عبداللہ(ص: 90 رقم 319)۔

(۳۰) مرعاۃ المفاتیح 4/299)۔

(۳۱) موقع اہل الحدیث والاثر۔

(۳۲) مجموع فتاوی ابن عثیمین 14/136))۔

(۳۳) مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ(2/760)

(۳۴) مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ 2/760)، مختصر قیام اللیل (ص:326)، الاوسط، ابن منذر 5/215))۔

(۳۵) الاوسط 5/215))۔

(۳۶) مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ 9/4849)۔

(۳۷) بدائع الفوائد، ابن القیم 4/1503)۔

(۳۸) المغنی 2/584)۔

(۳۹) سنن ابی داود 2/577) رقم 1443)، مسند احمد 4/475) رقم 2746)، مختصر قیام اللیل (ص: 326)، صحیح ابن خزیمہ 1/313) رقم 618)، مستدرک الحاکم 1/348) رقم 820) بسند ہلال بن خباب العبدی، عن عکرمہ، عن ابن عباس w۔

ہلال بن خباب صدوق راوی ہے، اس حدیث کے بارے میں نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "رواه أبوداود بإسناد حسن أو صحيح" "ابوداود نے اسے حسن یا صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے"۔ ابوبکر حازمی اور شیخ البانی نے ہلال کی وجہ سے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ دیکھیے: المجموع شرح المہذب 3/502)، البدر المنیر 3/628))، ارواء الغلیل 2/163)۔

(۴۰) مسائل الامام احمد روایۃ ابی داود السجستانی(ص:96)۔

(۴۱) مختصر قیام اللیل(ص:326)۔

(۴۲) سنن الترمذی 5/393) رقم 3383)، سنن ابن ماجہ 4/712)

رقم 3800)،عمل الیوم واللیلہ ،نسائی (ص: 480رقم 831)،صحیح ابن حبان 3/126)رقم 846)،مستدرک الحاکم 1/676)رقم 1834)،ترمذی نے کہا:"ہذا حدیث حسن غریب "نیز شیخ البانی نے حسن کہا ہے۔دیکھیے: صحیح الجامع الصغیر 1/248)رقم 1104)،الجامع الکامل،ضیاء اعظمی 9/458)۔

(۴۳)جامع المسائل 8/15)۔

(۴۴)حوالہ مذکور۔

(۴۵)مجموع الفتاوی 15/19)۔

(۴۶) دیکھیے:الاذکار،نووی(ص:61)۔

(۴۷) سنن ابی داود 2/607)رقم 1485)،سنن ابن ماجہ 1/373) رقم 1181)،یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۴۸) سنن ابی داود 2/608)۔

(۴۹) خلاصۃ الاحکام 1/461)رقم 1518)۔

(۵۰) السنن الکبری،بیہقی 2/301)رقم 3152)۔

(۵۱) السنن الکبری،بیہقی 4/157)۔

(۵۲) رسالۃ البیہقی للجوینی(ص:66)۔

(۵۳) مجموع الفتاوی 22/519)۔

(۵۴) ذخیرۃ العقبی 18/125)۔

(۵۵)عمل الیوم واللیلۃ،نسائی(ص: 443رقم 734)- واللفظ لہ-،شرح مشکل الآثار،طحاوی 11/371)رقم 4503)،صحیح ابن حبان 7/598) رقم 7078)،عراقی اور البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔دیکھیے: مرعاۃ المفاتیح 4/288))،صحیح سنن ابی داود 5/174)رقم 1284)۔

(۵۶) سنن النسائی(ص: 250رقم 1757)۔

(۵۷) صحیح البخاری 2/25)رقم 998)،صحیح مسلم 1/518)رقم 751)۔

(۵۸)صحیح البخاری 3/41)رقم 1981)،صحیح مسلم 1/499)رقم 721)۔

(۵۹)صحیح مسلم 1/509)رقم 738)۔

(۶۰) امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"يحتمل أن يكون المراد به ركعتان بعد الوتر، ويحتمل أن يكون أراد: فإذا أراد أن يوتر فليركع ركعتين قبل الوتر"

اس حدیث میں احتمال ہے کہ اس سے مراد وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ جب کوئی سفر میں وتر پڑھنے کا ارادہ کرے تو وتر سے پہلے دو رکعت پڑھ لے"،ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جیسے اللہ کا یہ فرمان ہے: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ۔دیکھیے:السنن الکبری،بیہقی 5/441))،المہذب فی اختصار السنن الکبیر،ذہبی 2/965)۔

(۶۱) صحیح ابن خزیمہ 2/159)رقم 1106)،صحیح ابن حبان 6/315) رقم 2577)،المعجم الکبیر 2/92)رقم 1410) بسند شریح بن عبید،عن عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر،عن ابیہ،عن ثوبان بہ،اس حدیث کو شیخ البانی نے صحیح کہا ہے۔دیکھیے:السلسلۃ الصحیحۃ 4/646)رقم 1993)۔

تنبیہ: صحیح ابن حبان کی سند سے"عن أبیہ "ساقط ہے۔

(۶۲)دیکھیے:شرح النووی علی مسلم 6/21))،زادالمعاد 1/393)۔

(۶۳)دیکھیے:مختصر قیام اللیل(ص:308)،خلاصۃ الاحکام 1/561)۔

(۶۴)شرح النووی علی مسلم 6/21)۔

(۶۵)صحیح ابن خزیمہ 2/159)۔

(۶۶) سنن ابی داود 2/574)رقم 1439) واللفظ لہ-،سنن الترمذی 1/482)رقم 470) مختصرا،اس حدیث کی سند میں" قیس بن طلق "ہے جو صدوق ہے،اس لیے یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ ترمذی،ابن الملقن اور ابن حجر وغیرہم نے کہا ہے اور شیخ البانی کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے،دیکھیے :تحفۃ الاشراف 4/224)رقم 5024) ،البدر المنیر 4/317))،فتح البار ی 2/481))،صحیح سنن ابی داود 5/184)رقم 1293)۔

(۶۷)جامع الترمذی 1/482)۔

(۶۸) المحلی 2/91))۔

(۶۹) صحیح مسلم 1/520)رقم 755)۔

(۷۰) صحیح البخاری 2/53)رقم 1145)،صحیح مسلم 1/521) رقم 758)۔

(۷۱) سنن ابی داود 2/572)رقم 1434)،اس کی سند صحیح ہے،نووی رحمہ اللہ نے کہا:"رواہ أبوداود بإسناد صحیح علی شرط مسلم"،ابن القطان نے کہا: "رجالہ کلہم ثقات "اور ابن الملقن کہا:"صحیح"۔دیکھیے : خلاصۃ الاحکام 1/560)رقم 1901)،بیان الوہم والایہام 2/355)،البدر المنیر 4/319)۔

☆☆☆

آرمگڈون اور جنگ عظیم (مختصر تقابلی جائزہ)

عبدالعلیم بن عبدالحفیظ سلفی

(قسط دوم)

الملحمة الکبری (جنگ عظیم):

بعض علماء بحث نے احادیث میں موجود الملحمة الکبری (جو قیامت کی علامتوں میں سے ایک ہے) اور آرمگڈون کوایک ہی قرار دیا ہے، دراصل ہر مذہب کے اندر دنیا کے خاتمے سے قبل ایک حتمی جنگ کا بیان ہوا ہے، جس سے وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ دونوں ایک ہی ہیں، حالانکہ کے دونوں کی تفصیلات انہیں ایک ماننے سے مانع ہیں، جن کا بیان ان شاءاللہ ہم ذیل میں کرنے والے ہیں۔

آرمگڈون اور ملحمۃ کبری کے درمیان تقابل سے پہلے ملحمۃ کبری سے متعلق روایات کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ صلب موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جنگ عظیم (الملحمۃ الکبری):

جنگ عظیم جسے احادیث کے نصوص میں الملحمۃ الکبری سے تعبیر کیا گیا ہے، اسلامی عقیدہ کے مطابق قرب قیامت کے وقت واقع ہوگی، اس کی تفصیلات بے شمار احادیث میں مختصرا ومفصلا موجود ہیں، اس ضمن میں جو سب سے معروف اور مشہور روایت ہے اسے امام بخاری اور دیگر کئی محدثین نے مختلف الفاظ کے ساتھ کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وهو فى قُبَّةٍ مِن أَدَمٍ، فَقالَ: "اعْدُدْ سِتًّا بيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ: مَوْتِي، ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ المَقْدِسِ، ثُمَّ مُوتَانٌ يَأْخُذُ فِيكُمْ كَقُعَاصِ الغَنَمِ، ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ المَالِ حتَّى يُعْطَى الرَّجُلُ مِئَةَ دِينَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا، ثُمَّ فِتْنَةٌ لا يَبْقَى بَيْتٌ مِنَ العَرَبِ إلَّا دَخَلَتْهُ، ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُونُ بيْنَكُمْ وبيْنَ بَنِي الأصْفَرِ، فَيَغْدِرُونَ فَيَأْتُونَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِينَ غَايَةً، تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا".

میں غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت چمڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کی چھ نشانیاں شمار کرلو: میری موت، پھر بیت المقدس کی فتح، پھر ایک (بکثرت موت والی) وبا جو تم میں شدت سے پھیلے گی جیسے بکریوں میں ایک بیماری پھیل جاتی ہے (جس سے بکریاں مرجاتی ہیں)۔ پھر مال کی کثرت اس درجہ میں ہوگی کہ ایک شخص سو دینار بھی دیا جائے گا تو اس پر بھی وہ ناراض ہوگا۔ پھر فتنہ اتنا تباہ کن اور عام ہوگا کہ عرب کا کوئی گھر باقی نہ رہے گا جو اس کی لپیٹ میں نہ آ گیا ہوگا۔ پھر ایک صلح جو تمہارے اور بنی الاصفر (نصارائے روم) کے

درمیان ہوگی، لیکن وہ دغا کریں گے اور ایک عظیم لشکر کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ اس میں اسی (۸۰) جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے ماتحت بارہ ہزار فوج ہوگی (یعنی نو لاکھ ساٹھ ہزار فوج سے وہ تم پر حملہ آور ہوں گے)۔(صحیح البخاری/3176)۔

اور صحیح مسلم کے اندر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ الرُّومُ بِالْأَعْمَاقِ أَوْ بِدَابِقٍ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِنَ الْمَدِينَةِ مِنْ خِيَارِأَهْلِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ، فَإِذَا تَصَافُّوا، قَالَتْ الرُّومُ: خَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِينَ سَبَوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ، فَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ: لَا وَاللَّهِ لَا نُخَلِّي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا، فَيُقَاتِلُونَهُمْ، فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَا يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَبَدًا، وَيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللَّهِ، وَيَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُونَ أَبَدًا، فَيَفْتَتِحُونَ قُسْطَنْطِينِيَّةَ .... قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق میں یا دابق میں اترے گا، پھر مدینہ سے ان کی طرف ایک لشکر نکلے گا جو ان دنوں تمام زمین والوں میں بہتر ہوگا۔ جب دونوں لشکر صف باندھیں گے تو نصاریٰ کہیں گے: تم لوگ (ان مسلمانوں سے) الگ ہو جاؤ جنہوں نے ہمارے بیوی بچوں کو پکڑ لیا اور انہیں لونڈی غلام بنالیا ہم ان سے لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے: نہیں اللہ کی قسم! ہم کبھی اپنے بھائیوں سے الگ نہ ہوں گے۔ پھر لڑائی ہوگی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا ان کی توبہ کبھی اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا اور ان میں سے ایک تہائی لشکر مارا جائیگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سب شہیدوں میں افضل ہوں گے۔ اور ایک تہائی لشکر کی فتح ہوگی۔ وہ عمر بھر کبھی فتنے اور بلا میں نہ پڑیں گے۔ پھر قسطنطینیہ کو فتح کریں گے۔۔۔" ۔(صحیح مسلم/2897، مستدرک الحاکم:4/529 امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)۔

نوٹ: (وادی اعماق ValleyAmik)) ترکی کی حدود میں ایک جگہ کا نام ہے جو انطاکیہ کے قریب واقع ہے۔ بحیرۃ العمق نامی جھیل بھی وہیں پر ہے۔

دابق شام میں حلب کے شمال مشرق میں تقریباً 40 کلو میٹر (25 میل) کے فاصلے پر واقع ایک قصبہ ہے۔ سلطنت عثمانیہ اور سلطنت مملوک کے درمیان ہونے والی جنگ مرج دابق کی وجہ سے اس کی کافی شہرت ہے۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ اعماق اور دابق شام میں حلب کے قریب دو جگہوں کا نام ہے۔(شرح مسلم/18/21)۔ اور صاحب قاموس کے مطابق اعماق حلب اور انطاکیہ کے درمیان واقع ہے۔ تاج العروس میں ہے کہ دابق کے قریب ہے، صاحب القاموس کے مطابق دابق حلب سے قریب ہے اور تاج العروس کے مطابق حلب سے چار فرسخ کی دوری پر واقع ہے۔(دیکھئے: القاموس المحیط/3: 268، ۸ إتحاف الجماعة بما جاء في الفتن والملاحم وأشراط الساعة/1: 397، وتاج العروس مادہ دب ق۔)

صلح کے بعد جنگ:

اس جنگ کی تفصیلات اور اس کے اسباب کے بارے میں کئی ایک روایتیں موجود ہیں جیسے:

رومیوں کی غداری اور پھر مسلمانوں کے ساتھ ان کی لڑائی کا ذکر ذی مخبر کی روایت میں بیان کیا گیا ہے، جسے امام ابوداود اور امام ترمذی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، حسان بن عطیہ کہتے ہیں کہ مکحول اور ابن ابی زکریا: خالد بن معدان کی طرف چلے، میں بھی ان کے ساتھ چلا تو انہوں نے ہم سے جبیر بن نفیر کے واسطہ سے صلح کے متعلق بیان کیا، جبیر نے کہا: ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ذی مخمر نامی ایک شخص کے پاس چلو (یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے) چنانچہ ہم ان کے پاس آئے، جبیر نے ان سے صلح کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: سَتُصَالِحُونَ الرُّومَ صُلْحًا آمِنًا، فَتَغْزُونَ أنتم وهُمْ عَدُوًّا مِن وَرائِكُم، فتُنْصَرون وتَغْنَمون وتَسْلَمون، ثُمَّ تَنْصَرِفُونَ حَتَّى تَنْزِلُوا بِمَرْجٍ ذِي تُلُولٍ , فَيَرْفَعُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الصَّلِيبِ الصَّلِيبَ , فَيَقُولُ : غَلَبَ الصَّلِيبُ , فَيَغْضَبُ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَقُومُ إِلَيْهِ فَيَدُقُّهُ ,فَعِنْدَ ذَلِكَ تَغْدِرُ الرُّومُ وَيَجْتَمِعُونَ لِلْمَلْحَمَةِ. عنقریب تم رومیوں سے ایک پر امن صلح کرو گے، پھر تم اور وہ مل کر ایک ایسے دشمن سے لڑو گے جو تمہارے پیچھے ہے، اس پر فتح پاؤ گے، اور غنیمت کا مال لے کر صحیح سالم واپس ہو گے، یہاں تک کہ تم ایک تر و تازہ اور سرسبز مقام پر جہاں ٹیلے وغیرہ ہوں گے، اترو گے، وہاں صلیب والوں یعنی رومیوں میں سے ایک شخص صلیب بلند کرے گا، اور کہے گا: صلیب غالب آ گئی، مسلمانوں میں سے ایک شخص غصے میں آئے گا، اور اس کے پاس جا کر صلیب توڑ دے گا، اس وقت رومی عہد توڑ دیں گے، اور سب جنگ کے لیے جمع ہو جائیں گے"۔ (سنن ابی داود/ 2767، 4292، سنن ابن ماجہ/ 4089، مسند احمد/ 4/91، 5/409، 16825)، 23157، 16826،23477) مستدرک للحاکم/4: 467، امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، علامہ البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے صحیح سنن ابی داود/ 4292، وصحیح سنن ابن ماجہ/ 3318)۔

ابن ماجہ کی روایت میں اتنی زیادتی ہے:

فيجتمعون للملحمة , فياتون حينئذ تحت ثمانين غاية تحت كل غاية اثنا عشر الفا۔ وہ (نصاریٰ مسلمانوں سے) لڑنے کے لیے اکٹھے ہو جائیں گے، اس وقت اسی جھنڈوں کی سرکردگی میں آئیں گے، اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہو گی"۔ (سنن ابن ماجۃ: 4089 علامہ البانی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے)۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نصاریٰ کی شان و شوکت اور سلطنت قیامت تک باقی رہے گی یعنی مہدی علیہ السلام کے وقت تک۔ اسی طرح صحیح مسلم (2898) کی روایت میں ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں قائم ہو گی جب تک کہ دنیا کے اکثر لوگ نصاریٰ ہوں گے"۔ یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بڑی دلیل ہے کیونکہ آپ کی یہ پیشین گوئی بالکل سچی نکلی، کئی سو برس سے نصاریٰ کا برابر عروج ہو رہا ہے، اور ہر ایک ملک میں ان

کا مذہب پھیلتا گیا ہے، دنیا کے ہر گوشے میں کہیں نہ کہیں یا تو ان کی حکومت قائم ہوگئی ہے، یا ان کے زیر اثر سلطنتیں قائم ہیں، یعنی بالواسطہ یا بلا واسطہ دنیا کے اکثر حصوں پر ان کا تسلط قائم ہے، بلکہ دیکھا جائے تو وہ عدد میں متفوق تو ہیں ہی، پوری دنیا ان کی تہذیب وثقافت اور افکار ووسائل کے زیر تسلط ہے-الا ماشاءاللہ۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کے قریب مسلمانوں کا بادشاہ نصاریٰ کی ایک قوم کے ساتھ مل کر تیسری سلطنت سے لڑے گا اور فتح پائے گا، پھر صلیب پر تکرار ہوکر سارے نصاریٰ آپس میں مل جائیں گے اور متفق ومتحد ہوکر مسلمانوں سے مقابلہ کریں گے۔

اور ایک روایت میں مدت صلح اور جنگ اور اس کے سبب کی تفصیلات کا بیان کچھ اس طرح ہے: تُصَالِحُونَ الرُّومَ عَشْرَ سِنِينَ صُلْحًا آمِنًا، يُوفُونَ لَكُمْ سَنَتَيْنِ، وَيَغْدِرُونَ فِي الثَّالِثَةِ، أَوْ يَفُونَ أَرْبَعًا وَيَغْدِرُونَ فِي الْخَامِسَةِ، فَيَنْزِلُ جَيْشٌ مِنْكُمْ فِي مَدِينَتِهِمْ فَتَنْفِرُونَ أَنْتُمْ وَهُمْ إِلَى عَدُوٍّ مِنْ وَرَائِهِمْ، فَيَفْتَحُ اللَّهُ لَكُمْ فَتَنْصُرُونَ بِمَا أَصَبْتُمْ مِنْ أَجْرٍ وَغَنِيمَةٍ، فَيَنْزِلُونَ فِي مَرْجٍ ذِي تُلُولٍ فَيَقُولُ : قَائِلُكُمْ: اللَّهُ غَلَبَ، وَيَقُولُ قَائِلُهُمْ: الصَّلِيبُ غَلَبَ، فَيَتَدَاوَلُونَهَا سَاعَةً، فَيَغْضَبُ الْمُسْلِمُونَ وَصَلِيبُهُمْ مِنْهُمْ غَيْرُ بَعِيدٍ، فَيَثُورُ الْمُسْلِمُ إِلَى صَلِيبِهِمْ فَيَدُقُّهُ، فَيَثُورُونَ إِلَى كَاسِرِ صَلِيبِهِمْ، فَيَضْرِبُونَ عُنُقَهُ، فَتَثُورُ تِلْكَ الْعِصَابَةُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى أَسْلِحَتِهِمْ، وَيَثُورُ الرُّومُ إِلَى أَسْلِحَتِهِمْ، فَيَقْتَتِلُونَ فَيُكْرِمُ اللَّهُ تِلْكَ الْعِصَابَةَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيُسْتَشْهَدُونَ، فَيَأْتُونَ مَلِكَهُمْ فَيَقُولُونَ: قَدْكَفَيْنَاكَ حَدَّالْعَرَبِ وَبَأْسَهُمْ،فَمَاذَا تَنْتَظِرُ؟ فَيَجْمَعُ لَكُمْ حَمْلَ امْرَأَةٍ، ثُمَّ يَأْتِيكُمْ فِي ثَمَانِينَ غَايَةً، تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا. اہل روم سے تم دس سالوں تک پرامن صلح کروگے، دوسالوں تک وہ اس کی پاسداری کریں گے اور تیسرے سال میں غداری کریں گے، یا یہ کہ چار سالوں تک پاسداری کریں گے اور پانچویں سال میں غداری کریں گے، تمہاری ایک فوج ان کے شہر میں اتر یگی تم اور وہ (نصاریٰ) ان کے پیچھے موجود دشمن کی طرف کوچ کروگے، اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا فرمائے گا اور تم اجر وثواب اور مال غنیمت کے ساتھ مدد کئے جاؤگے، پھر سب ایک تر وتازہ اور سرسبز مقام پر جہاں ٹیلے وغیرہ ہوں گے، اتروگے، تم میں سے ایک شخص کہے گا: اللہ کا غلبہ ہوا اور ان میں سے کوئی آدمی کہے گا: صلیب کا غلبہ ہوا، کچھ گھنٹوں تک ان کے درمیان اسی پر بحث ہوتی رہے گی، مسلمانوں کو غصہ آئے گا اور صلیب قریب ہی پڑی ہوگی، ایک مسلمان ان کی صلیب کی طرف بڑھے گا اور اسے توڑ دیگا، پھر وہ لوگ صلیب توڑنے والے کی طرف بڑھیں گے اور اسے قتل کرڈالیں گے، پھر مسلمانوں کی وہ جماعت اپنے ہتھیاروں کی طرف بڑھے گی اور ان کی جماعت اپنے ہتھیاروں کی طرف پھر ان کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو شہادت کے ذریعہ عزت بخشے گا پھر رومی اپنے بادشاہ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: آپ کی طرف

سے ہم جزیرۃ العرب اور ان سے لڑائی کے لئے کافی ہیں، پھر آپ کو کس بات کا انتظار ہے؟ پھر وہ لوگ ایک عورت کی مدت حمل کے برابر(یعنی نو ماہ) تک رکیں گے پھر وہ تمہارے خلاف مقابلے کے لئے اسی جھنڈوں تلے آئیں گے اور ہر جھنڈے کے تلے بارہ ہزار ہوں گے۔(الفتن لنعیم بن حماد/ 1262، 1376، جزء من حدیث الأوزاعی لابن حذلم/ص 12 رقم / 27، صحیح ابن حبان: 15/ 103، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم/5: 122، المعجم الکبیر للطبرانی/4: 236رقم / 4231، المستدرک للحاکم/4: 467، امام حاکم نیا س روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)۔

مذکورہ صحیح اور ان کے علاوہ اس معنی کی دیگر روایتوں کی بنیاد پر یہ بات حتمی ہے کہ قرب قیامت میں ایک بڑی جنگ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان واقع ہوگی، اور اس جنگ سے قبل دونوں کے درمیان صلح کا دور بھی رہے گا، دونوں آپس میں متحد رہ کر ایک تیسری دشمن جماعت سے لڑائی بھی کریں گے اور فتح بھی نصیب ہوگی۔

اگلی قسط میں ہم ان شاء اللہ عقائد ونظریات کے اعتبار سے آرمگڈون اور ملحمۃ کبری کے درمیان فرق کو واضح کریں گے۔

(جاری)

☆☆☆

غیروں کو شر سے محفوظ رکھنا صدقہ ہے

حضرت ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔ میں نے کہا: کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اپنے مالک کی نظروں میں سب سے زیادہ عمدہ اور زیادہ قیمتی ہو۔ میں نے کہا: اگر میں یہ نہ کرسکوں؟ آپ نے فرمایا: کسی کاریگر کی مدد کردو یا بے ہنر کا کام کردو۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ ! یہ بتلائیں اگر میں یہ بعض عمل کرنے سے بھی عاجز رہوں؟ فرمایا: تم لوگوں کو اپنے شر سے بچائے رکھو، یہ بھی تمہارا اپنے نفس پر صدقہ ہے۔

(بخاری ومسلم)

شیخ محمد عزیر شمس اور حالی شناسی

ڈاکٹر حشر الدین عبدالشہید، مکہ مکرمہ

شیخ محمد عزیر شمس رحمہ اللہ کی شہرت اور پہچان علمی حلقوں میں ماہر مخطوطات اور معارف ابن تیمیہ کے شناور کی حیثیت سے ہے؛ کیوں کہ آخری پچیس سالوں میں ان کی علمی سرگرمیوں کا مرکز یہی میدان رہا ہے اور اس مدت میں انہوں نے جو علمی کارنامے انجام دیے، وہ علوم و معارف ابن تیمیہ وابن القیم سے متعلق ہونے کی وجہ سے منظر عام پر آئے اور ان میں اتقان و پختگی ہونے کی وجہ سے اہل علم نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا، شیخ محترم کی علمی زندگی کے مراحل کے بارے میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تحقیق وتدوین کا مزاج جوانی کیا نوخیزی کی عمر ہی سے پیدا ہوگیا تھا اور جن عظیم درسگاہوں میں انہوں نے تعلیم حاصل کی، ان میں انہیں ایسے مواقع ملتے گئے، جن کا تعلق اسی میدان سے تھا اور ان کے اس ہنر کو نکھارنے اور پروان چڑھانے میں معاون ثابت ہوئے اور تعلیمی سلسلہ ختم ہونے کے بعد جب عملی زندگی شروع ہوئی تو اللہ تعالی نے انہیں اسی کے لیے چنا، اس طرح مرحلہ وار حاصل ہونے والے تجربات، اپنی خداداد ذہانت وفطانت و لیاقت اور محنت ولگن کی بدولت اس میدان کے شہسوار بن گئے اور تحقیق وتدوین ان کی پہچان بن گئی اور وہ اس قدر اس کے اسیر بن گئے کہ اس سے آزاد نہ ہو سکے، بلکہ اس کی اسیری میں لذت محسوس کرنے لگے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی علمی سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی ہیں اور تالیف وتصنیف کی طرف وہ توجہ نہیں دے سکے جس کی توقع اہل علم کو ان کی ذات ستودہ صفات سے تھی، یہاں تک کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانے سے علمائے اہل حدیث پر جو سوانحی خاکہ تیار کرنا شروع کیا تھا، اسے منظر عام پر نہیں لا سکے۔

یوں تو معلومات واطلاع کی حد تک شیخ محمد عزیر مختلف علوم وفنون میں اتھارٹی تھے، جو معلومات رکھتے تھے، وہ ٹھوس اور تحقیقی معلومات تھیں، ان کی شخصیت ایک انسائیکلو پیڈیا اور چلتی پھرتی لائبریری تھی، ایسا لگتا ہے کہ ان کے حافظے میں موضوعات کے اعتبار سے الگ الگ خانے بنے ہوئے تھے، جن میں معلومات سلیقے سے سجی ہوئی تھیں اور ایک دوسرے سے گڈمڈ نہیں ہوتی تھیں، جب بھی آپ ان سے کسی موضوع پر معلومات طلب کرتے، آپ کو بڑے سلیقے سے تحقیقی معلومات فراہم کر دیتے، خصوصاً کتابوں اور مؤلفین سے متعلق معلومات۔

اگر شیخ رحمہ اللہ کو ہر فن مولا کہا جائے، تو مبالغہ نہیں ہوگا، لیکن ان کا جو اصل میدان اور اکیڈمک تخصص تھا، وہ عربی زبان وادب ہے اور اسی پر انہوں نے تین تعلیمی مراحل "آنرس، ماسٹر اور پی ایچ ڈی" مکمل کیے، انہوں

نے پی ایچ ڈی میں اپنا علمی مقالہ بعنوان (الشعر العربی فی الهند-دراسة نقدية) مکمل کرلیا تھا، مگر اپنے سپر وائزر سے اختلاف ہونے کی وجہ سے مقالہ کا مناقشہ نہیں ہو سکا اور ڈگری سے محروم رہ گئے، اس لیے ان کا نام دکتور یا ڈاکٹر کے سابقہ سے خالی ہوتا ہے۔اس کے بعد انہوں نے نہ جامعہ ام القری سے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی اور نہ کسی دوسری یونیورسٹی سے اسے مکمل کرنے کی فکر کی، بلکہ دار عالم الفوائد، مکہ مکرمہ سے بحثیت باحث و محقق جڑ گئے اور اس طرح ان کی عملی زندگی کا باقاعدہ سفر شروع ہوا، اس ادارہ میں ان کے ساتھ دوسرے باصلاحیت محققین کی ایک موقر ٹیم تھی، جس نے چار پروجیکٹس پر کام بحسن وخوبی انجام دیا اور وہ ہیں: آثار شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تحقیق وطباعت، آثار ابن القیم کی تحقیق وطباعت، آثار محمد الامین الشنقیطی کی تحقیق وطباعت اور آثار عبدالرحمٰن بن یحیٰ المعلمی کی تحقیق وطباعت۔ چوں کہ اس موقر ٹیم کا کام ادارہ جاتی اور ایک منصوبے کے تحت تھا، اس لیے تحقیق وتدوین کی ذمہ داریاں اس کے اراکین پر بانٹ دی جاتیں اور ہر محقق اپنے حصے کا کام پورا کر کے ادارہ کو سونپ دیتا اور ادارہ اس کی طباعت واشاعت کا کام انجام دیتا۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ان کتابوں اور جلدوں کی تحقیق وتدوین کی، جو تیار شدہ منصوبے کے تحت ان کے سپرد کی گئیں، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جب تک اس ادارہ سے جڑے رہے، آزادانہ طور پر دوسرا علمی کام نہ کرسکے، یہاں تک کہ وہ کام بھی مکمل نہ کرسکے جو اس ادارہ سے جڑنے سے پہلے ادھورا چھوڑ دیا تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ جو ان کا تخصص اور اصل میدان تھا اس میں اپنے ماسٹر اور پی ایچ ڈی کے دو مقالوں کے سوا کسی لسانی یا ادبی موضوع پر کتاب یا کتابچہ تالیف کرنے کی طرف توجہ نہیں دے سکے، یہاں تک کہ اپنے اکیڈمک مقالوں کو، جو اپنے موضوع اور پیش کش میں نمایاں اور شاندار ہیں، زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لانے کی کوشش نہیں کی۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی دلچسپی عربی زبان وادب تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کے ساتھ اردو زبان وادب سے بھی انہیں ایک خاص دلچسپی تھی، اس کی واضح مثال ان کا ماسٹر کا مقالہ ہے، جسے انہوں نے "التأثير العربي في شعر حالي ونقده " کے نام سے تیار کیا تھا، یہ مقالہ جہاں عربی وارد و دونوں زبانوں میں ان کی دلچسپی اور دسترس کی ترجمانی کرتا ہے، وہیں ان کی حالی شناسی کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں شیخ رحمہ اللہ کی شخصیت کے اسی پہلو کو قارئین کے سامنے واشگاف کرنے کی کوشش کرونگا۔

شیخ محمد عزیر رحمہ اللہ نے یہ مقالہ سنہ ۱۴۰۶ھ = ۱۹۸۵ء میں جامعہ ام القری کے كلية اللغة العربية سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے تیار کیا تھا، میرے علم کے مطابق یہ پہلا علمی واکیڈمک مقالہ ہے جو حالی پر عربی زبان میں لکھا گیا اور حالی کے دور اور ان کی شخصیت، افکار، رجحانات، شعر وادب اور نقد سے عرب کو روشناس کرایا گیا، اس کے بعد ایک اور اکیڈمک مقالہ کا پتہ چلتا ہے، جس نے عربی زبان میں حالی کا تعارف پیش کیا، اس پر ایک مصری باحث ڈاکٹر جلال السعید الحفناوی نے سنہ ۱۹۹۰ء میں جامعہ القاہرہ کے کلیہ الآداب سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی، اس کا

عنوان ہے:"ألطاف حسين حالي ومنهجه في نقد الشعر الأردي "اور بعد میں اسے" نقد الشعر الأردي عند ألطاف حسين حالي "کے نام سے چھاپا گیا۔ اس میں انہوں نے حالی کے "مقدمہ شعر وشاعری " کا مکمل عربی ترجمہ بھی شامل کردیا ہے، انہی کا ایک اور مقالہ"دور مسدس حالي في الحياة الاجتماعية في شبه القارة الهندية "کے نام سے ہے، جو سنہ ۱۹۹۹ء کے "مجلة الأدب الإسلامي "اور "مجلة ثقافة الهند" میں شائع ہوا۔

ہمارے شیخ کا یہ علمی مقالہ ۳۸۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے مراجع ومصادر کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے بڑی محنت وجانفشانی سے تیار کیا گیا ہے اور اسے تیار کرنے میں تقریباً ۱۶۸/اردو مصادر، ۱۲۳/عربی مصادر، ۵/فارسی مصادر، ۱۹/انگریزی مصادر اور ۱۹/عربی واردو پرچوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مقالہ بہت ہی شاندار ہے، معلومات ومواد سے پر، طرز نگارش پر کشش، زبان سادہ وسلیس، تصنع وتکلف سے پاک، منطقی تسلسل کے ساتھ معلومات کو بڑے سلیقے سے الفاظ کے دھاگے میں پرویا گیا ہے۔

اول وہلہ میں مقالہ کے عنوان سے یہ لگتا ہے کہ حالی کے شعر ونقد پر عربی زبان کا جو اثر ہے اس مقالہ میں صرف اسی پہلو کو دکھایا گیا ہے، لیکن مقالہ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں ہندوستان کے نامور اردو شاعر الطاف حسین حالی (۱۸۳۷-۱۹۱۴ء) کا ہمہ جہت تعارف کرایا گیا، جس دور میں شاعر نے زندگی بسر کی ہے اس کے سیاسی، مذہبی، ادبی اور فکری حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، شاعر کے خاندانی پس منظر، شاعر کی پیدائش، نشو ونما، تعلیمی اسفار اور درسگاہوں کا تذکرہ تاریخی حوالوں سے کیا گیا ہے، حالی کی شاعری پر مفصل گفتگو کی گئی ہے، ان کی شاعری کے ارتقائی ادوار کی نشاندہی کی گئی ہے، ان کی شاعری کے مزاج ومقصد کا رخ تبدیل اور متعین کرنے والے عناصر کی وضاحت کی گئی، ان شخصیات وتحریکات کا ذکر بھی کیا گیا، جنہوں نے ان کی شاعری اور فکر ونظر پر اثر ڈالا، ان شعراء کا تذکرہ کیا گیا، جن کی شاگردی حالی نے اختیار کی اور جن سے وہ متاثر ہوئے، ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی، جو کسی خاص شخصیت سے وابستہ ہونیکی وجہ سے حالی سے متعلق پیدا ہوگئی تھیں، حالی نے کن اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور کن موضوعات واغراض پر داد سخن دی ہے، انہیں مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا، اسی طرح حالی کی شاعری کے فنی مظاہر، یعنی الفاظ، معانی، بحور واوزان پر گفتگو کی گئی ہے اور ان تمام باتوں میں عربی زبان کی کتنی تاثیر ہے، اسے شواہد ودلائل کی روشنی میں واشگاف کیا گیا ہے۔

حالی شناسی کا دوسرا اہم پہلو نقد حالی ہے، اس پر شیخ محمد عزیر شمس نے ناقدانہ ومحققانہ بحث کی ہے، ان کی کتاب "مقدمہ شعر وشاعری "پر فاضلانہ کلام کیا ہے، تنقید کے جن مسائل کو سمجھنے میں حالی نے غلطی کی ہے، اس پر واضح الفاظ میں تنبیہ کی ہے، انہوں نے دلائل وشواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ حالی اپنی تنقید میں مغربی نقاد سے کہیں زیادہ عرب نقاد سے متاثر تھے، مقدمہ کے بیشتر تنقیدی مسائل میں عرب نقاد

کی تحریروں سے زیادہ استفادہ کیا ہے بنسبت مغربی نقاد کی تحریروں کے اور جہاں انہوں نے مغربی نقاد سے اخذ واستفادہ کیا ہے، وہاں ان سے اکثر چوک ہوئی ہے، شیخ رحمہ اللہ نے ان مقامات کی نشاندہی کی ہے جن میں حالی نے مغربی نقاد کی آراء کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

مقالہ کی اخیر میں بطور ضمیمہ مسدس حالی بعنوان "مسدس مدوجزر اسلام" کو عربی قالب میں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا جامع تجزیہ بھی پیش کیا ہے، اس کے بحر و وزن پر کلام کیا ہے، اس میں حالی کے پیشرو اور پیرو کون کون شعراء ہیں، ان کا ذکر کیا ہے اور مسدس کے بنیادی عناصر اور افکار کا خلاصہ بیان کیا ہے، اسی طرح مسدس حالی کے ادبی واصلاحی مقام ورتبہ کی تعیین بھی کی ہے۔

الغرض شیخ رحمہ اللہ نے اپنے اس مقالے میں حالی کی زندگی، ان کی شاعری اور تنقید کا خاکہ بڑی کامیابی سے پیش کیا ہے، کوئی بھی عربی قاری اردو کے اس نامور شاعر و ناقد کو اپنی زبان کے شاعر کی طرح سمجھ سکتا ہے، اس کی شاعری سے لطف اندوز ہوسکتا ہے اور اس کی تنقید کی حیثیت متعین کرسکتا ہے۔

شیخ محمد عزیر نے حالی کی شاعری وتنقید اور ان پر عربی تاثیر کے حوالے سے جو تحقیق پیش کی ہے، اس میں ان کی انصاف پسند اور صاف گو روح جھلکتی ہے، نہ غلو وتعصب ہے، نہ منافرت وحق تلفی، ہر حال میں انہوں نے انصاف کی ترازو کو اپنے سامنے رکھا ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حالی کے یہاں جو قوت وبلندی کے پہلو پائے جاتے ہیں، انہیں واضح انداز میں اجاگر کیا ہے اور جو پہلو کمزوری کے ہیں، ان کی بھی برملا نشاندہی کی ہے، جن مقامات پر حالی سے چوک اور غلطی ہوئی، اسے اشارۃً نہیں، صراحۃً بیان کیا ہے اور جہاں ان کو لگا کہ شاعر کے حق میں زیادتی ہوئی ہے اور کسی حوالے سے ان سے متعلق غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، وہاں انہوں نے ان کا دفاع کیا اور غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔

شیخ محمد عزیر رحمہ اللہ نے اپنے اس مقالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ:

- حالی نے اپنی شاعری اور تنقید میں مغربی سرچشموں سے زیادہ مشرقی سرچشموں سے استفادہ کیا ہے۔
- حالی میں تجدید واصلاح کا رجحان عربی کلچر وتہذیب سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے نا کہ انگریزی کلچر وتہذیب سے متاثر ہونے کا نتیجہ، کیوں کہ وہ انگریزی زبان سے واقف نہیں تھے، ان کی واقفیت انگریزی کتابوں کے ان اردو تراجم تک محدود تھی، جو حکومت کے زیر انتظام مدارس واسکولوں میں داخل نصاب تھے، انہوں نے یورپی ادب میں شعر، افسانہ اور ڈرامہ وغیرہ نہیں پڑھا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی کتاب پڑھی تھی جس میں انگریزی ادب، یا اس کے شعری وتنقیدی دبستان، یا افسانہ وڈرامہ کے رجحانات کے بارے میں گفتگو کی گئی ہو، وہ مغربی کلچر کے اس تھوڑے محدود حصے سے واقف تھے جس کا تعلق سماجی وسیاسی زندگی اور سائنس وصنعت کاریوں سے ہے، وہ اسلامی کلچر وتہذیب پر قائم رہے اور اپنی تمام علمی وادبی تخلیقات میں اسی کے زیر اثر رہے، ہاں، بس اتنا تھا کہ وہ مغربی تہذیب سے اس حد تک استفادہ کے قائل تھے کہ وہ دین اسلام اور اسلامی تہذیب سے ہم آہنگ ہو۔

- سنہ ۱۸۷۴ء کو حالی کی قدیم شاعری اور جدید شاعری کے درمیان حد فاصل سمجھا جاتا ہے، جب وہ نوکری کے سلسلے میں لاہور میں اقامت پذیر ہوئے اور محمد حسین آزاد کی ''انجمن پنجاب'' سے وابستہ ہوگئے،اس انجمن کی سرپرستی میں مشاعرے اور شعری مجلسیں منعقد ہوتی تھیں، جنہیں جدید اردو نظم کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے، ہر مشاعرہ کے لیے ایک موضوع دیا جاتا تھا، جس پر شعراء نظم تیار کر کے لاتے، جب کہ اس سے پہلے طرحی مشاعرے ہوا کرتے تھے اور شعراء پرانے طرز پر غزل اور رباعی کہا کرتے تھے، حالی ان مشاعروں میں حصہ لینے لگے۔ انہوں نے ان میں چار نظمیں پیش کیں جنہیں ان کی جدید بہترین نظموں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں انہوں نے فطرت کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی اور بعض نظموں میں مکالمہ کا اسلوب اپنایا۔

- حالی شعر وادب میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ (۱۸۶۹ء) اور غالب (۱۸۶۹ء) سے متاثر تھے اور سیاست وتعلیم میں سرسید احمد خان سے۔

- حالی نے اپنی شاعری میں شیفتہ کو آئیڈیل بنایا اور غالب کے معتقد ہونے کے باوجود شاعری میں ان کو اپنا آئیڈیل نہیں بنایا۔

- حالی کی فکر میں پختگی اور علمی وادبی حلقوں میں انہیں شہرت اس وقت تک حاصل نہیں ہوئی، جب تک وہ سنہ ۱۸۷۵ء میں سرسید احمد سے نہیں ملے، وہ سرسید احمد کی رہنمائیوں اور تعلیمات سے مستفید ہوئے اور سماجی مصلح کی حیثیت سے ابھرے اور اپنے شعر کا استعمال لوگوں کی اصلاح کے لیے کرنے لگے،اس میں انہیں تعلیم کی دعوت دیتے اور سائنس اور صنعت کاری کی ترغیب دلاتے۔ انہوں نے گرچہ سرسید کے تعلیمی مشن، دعوت اور جامعہ کی حمایت کی اور ان کے دفاع میں قصیدے اور مضامین لکھے، لیکن ان کی بہت سی آراء، عقائد اور مذہبی رجحانات کی مخالفت بھی کی۔

- حالی پر سرسید کی حمایت کرنے کی وجہ سے گمراہی اور صراط مستقیم سے بھٹکنے کا الزام دھرا گیا، مگر جب ہم عقیدہ اور شرعی مسائل پر ان کی تحریریں پڑھتے ہیں، تو ان میں ایسی بات نہیں پاتے ہیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

- حالی نے جن اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، وہ ہیں: قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی اور قطعہ اور جن موضوعات واغراض پر دادِ سخن دی ہے، وہ ہیں: غزل، مدح، مرثیہ، وصف، شعر تعلیمی وسماجی اور شعر دعوت اسلامی۔

- حالی نے اپنے شعر میں بحور خلیل میں سے طویل، بسیط، وافر اور کامل کا استعمال نہیں کیا۔

- مسدس حالی کے طرز پر دوسرے شعراء نے بھی مسدس لکھے ہیں، لیکن مسدس حالی کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی اور مسدس کو حاصل نہیں۔

یہ مقالہ اپنے موضوع، تجزیہ، تحقیق، نتائج اور زبان وبیان کی رو سے بہت ہی وقیع مقالہ ہے، جو حالی کی شخصیت، افکار، شعر اور نقد کو سمجھنے میں کسی بھی عربی قاری کے لیے مددگار ثابت ہوگا۔ یہ مقالہ اتنی اہمیت کے حامل ہونے کے باوجود ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا، بڑے افسوس کا مقام ہے، امید کرتا ہوں کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اس طرف توجہ دے گی اور اسے شائع کر کے اہل علم میں متعارف کرائے گی۔

☆☆☆

علوم نافعہ کے آثار باقیہ

تحریر: ڈاکٹر عبدالکریم الرحیلی
ترجمہ: ابوصالح دل محمد سلفی

زیر نظر تحریر درحقیقت اس علمی محاضرہ کا ترجمہ ہے جس کو دکتور عبدالکریم بن عیسیٰ الرحیلی، استاذ عقیدہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے ۲۴/اگست ۲۰۲۳ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء جامعہ کے ’قاعۃ المحاضرات‘ میں طلبہ کے سامنے آن لائن پیش کیا تھا۔

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (الحج:۷۷) خیر وبھلائی اور نیکی کا کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ. خیر کے کاموں میں سبقت حاصل کرو۔ (البقرۃ:۱۴۸)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: خیر اور نیکی کے کاموں میں سبقت وپیش قدمی ہونی چاہیے لہٰذا اگر تمہیں اس بات کی استطاعت وقدرت حاصل ہے کہ اللہ کی جانب تم پر کوئی سبقت نہ لے جاسکے تو تم اس کی کوشش کرو۔ (مناقب الامام احمد:۲۶۹)

امور خیر کی جانب سبقت وپیش قدمی میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی دنیا میں ایسا نیک کام کرکے جائے جس کا نفع و ثواب مرنے کے بعد بھی اس کو قیامت تک پہنچتا رہے۔

اللہ کے بندو! (یاد رکھو!) آدمی کے لیے سب سے افضل اور بہترین چیز یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اپنا جانشین بنائے جو اس کی موت کے بعد ہر لمحہ وہر پل اسے یاد کریں، اس لئے کہ بندہ کے اجر وثواب کا استمرار ودوام افضل ترین اعمال میں سے ہے، اور علم کی نشر واشاعت سے بڑھ کر کوئی افضل عمل نہیں۔

امام شربینی رحمہ اللہ نے کہا: علم کی فضیلت اور علم سیکھنے سکھانے میں کوشش ومحنت پر ابھانے کے لیے آیات واحادیث اور آثار تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ (مغنی المحتاج: ۱/ ۹۷) پھر انہوں نے علم کی فضیلت پر دلیلیں ذکر کی ہیں:

(۱) علم کی نشر واشاعت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب:

آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے (صحیح مسلم:۱۶۳۱) اور ایک روایت میں ہے: " ایک مومن کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور کار خیر میں سے جس کا اجر اسے ملتا رہتا ہے، اور ایک روایت میں ہے ’’مرنے کے بعد اسے اجر وثواب ملتا رہتا ہے‘‘ انہیں میں سے ایک عمل ’’علم‘‘ ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "الا من علم ينتفع به" ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے

اور ایک روایت میں ہے: جو (علم) اس نے حاصل کیا اور اس کی نشر واشاعت کی اور ایک روایت میں ہے یا ایسا علم جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل کیا جائے گا"۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "إلا من علم ينتفع به" کی تشریح میں فرمایا: اس سے مراد وہ علم ہے جو اس نے تعلیم وتصنیف اور روایت کی شکل میں چھوڑی ہو، اس شرط کے ساتھ کہ وہ قابل استفادہ ہو (حاشیۃ السیوطی علی سنن النسائی: ۲۵۲/۷)، اس لیے کہ جو علم نفع بخش نہ ہو تو اس کا اجر نہیں ملے گا، اور نفع بخش علم میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی نے مفید کتاب لکھی ہو یا علم کی نشر واشاعت میں حصہ لیا ہو اور اس سے روایت کرنے والے اور فائدہ اٹھانے والے زندہ رہیں، یا اس نے کوئی نفع بخش علم تحریر کی ہو یا کتابیں وقف کی ہو تو ان اعمال کا اجر وثواب اس کی موت کے بعد اس کو پہنچتا رہے گا۔

(۲) افضل ترین سنتوں میں سے ایک علم بھی ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کسی نے اسلام میں کسی سنت حسنہ کی بنیاد رکھی، تو اسے اس کا اجر ملے گا، اور اس پر عمل کرنے والے دوسرے لوگوں کا بھی اجر ملے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر میں کچھ کمی کی جائے گی''۔ (رواہ الامام مسلم: ۱۰۱۷)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: یعنی انہوں نے اگر کوئی سنت جاری کی، اور ان کی موت کے بعد لوگوں نے اس پر عمل کیا، تو اگر وہ سنت کارِ خیر ہوگی تو اس پر عمل کرنے والوں کے اجر کے بقدر اسے بھی اجر ملے گا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۰۲/۶)

امام ہیثمی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ان لوگوں کے لیے بڑی خوش خبری ہے جنہوں نے کسی نفع بخش علم کو کتابی شکل دی، انہیں اس عمل کا اجر ملے گا اور جب تک تحریر کردہ وہ کتاب باقی رہے گی، اس کو پڑھنے والوں، اسے نقل کرنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی پہنچتا رہے گا۔ (الزواجر عن اقتراف الکبائر: ۱۶۲/۱)

(۳) علم کے آثار مرنے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں:

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ.

ترجمہ: بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں، اور جو نشان پیچھے رہ گئے ہیں ہم ان کو لکھ لیتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔ (یٰس: ۱۲)

امام قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: تم میں سے جو شخص استطاعت رکھتا ہو کہ وہ اطاعت الٰہی میں اپنا نشان (عمل) درج کرے، تو وہ ضرور کرے۔

اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا: انسان کے اعمال جو اس کے مرنے کے بعد باقی رہیں گے اور جنہیں ذکر کیا جائے گا خواہ وہ اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال ہوں اس پر انہیں بدلا دیا جائے گا۔ اچھا عمل جیسے وہ علم جس کی اس نے تعلیم دی یا اس کی تصنیف کردہ کتاب یا اللہ کی راہ میں وقف کردہ کوئی چیز یا اللہ کے لئے اس کی تعمیر کردہ کوئی عمارت مسجد، سرائے اور پل وغیرہ۔ (تفسیر قرطبی: ۱۲/۱۵)

اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کسی نے علم کی نشر واشاعت میں حصہ لیا، اور بعد میں لوگوں نے اس علم کی پیروی کی، تو وہ بھی اس کی کوشش اور جد وجہد میں شمار کیا جائے گا۔(تفسیر ابن کثیر: ۷/۴۳۲)

(۴) انسان کے مرنے کے بعد کچھ مدت میں اس کی یاد ختم ہوجاتی ہے، اور اسے بھلا دیا جاتا ہے:

اس کی ادنی سی مثال یہ ہے کہ آپ اپنے قریبی آباء واجداد کو دیکھ لیجیے، وہ دنیا سے رخصت ہوگئے، اور ان کے اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا، اب ہمیں ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے، اسی طرح ایک مدت کے بعد آپ کا تذکرہ بھی ختم ہوجائے گا، اور اگر آپ نے علم کی نشر و اشاعت میں حصہ نہیں لیا تو آپ کو بھی بھلا دیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی نے کسی کو علم سکھایا، تو اس علم پر عمل کرنے والے کا اجر اس کو بھی ملے گا، اور عمل کرنے والے کے اجر میں ذرا برابر بھی کمی نہیں ہوگی۔ (رواہ ابن ماجہ: ۲۴۰ وحسنہ الالبانی)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم و ہدایت کے ثواب کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔

امام منذری رحمہ اللہ کا قول ہے: آدمی کے ثواب کا عمل جو اس نے اپنی زندگی میں آگے بھیج رکھا ہے قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔

(۵) علم افضل ترین رہنمائی ہے:

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کسی نے خیر و بھلائی کی رہنمائی کی تو اس پر عمل کرنے والے کا اجر اس کو بھی ملے گا۔ (رواہ مسلم: ۱۸۹۳)

علامہ صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خیر و نیکی اور بھلائی کی رہنمائی کرنے والے کو اس پر عمل کرنے والوں کا اجر دیا جاتا ہے، اور دوسرں کو بھلائی کی طرف لے جانا بھلائی کرنے کی طرح ہے۔(سبل السلام: ۲/۶۳۹)

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: "من دل" کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی کسی طرح سے رہنمائی کی چاہے وہ رہنمائی قول سے ہو یا فعل سے ہو یا اشارہ سے ہو یا تحریر کے ذریعہ ہو۔(تحفۃ الاحوذی: ۷/۳۶۲)

کار خیر کی طرف اشارہ سے رہنمائی کی مثال وہ بھی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے پسند کیا، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اور یہ اصحاب رسول کے غیر معمولی فضیلت کے حامل ان عظیم الشان وجلیل القدر اعمال و کارناموں میں سے ایک ہے، جس کا ذکر جمیل قیامت تک ہوتا رہے گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عہد صدیقی میں جمع قرآن کے قصہ پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اگر کوئی منصف مزاج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل پر غور کرے گا تو وہ بلا چوں و چرا اس بات کا اعتراف کرے گا کہ جمع قرآن کا عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں سے ہے، اور یہ عمل ان کے عظیم منقبت کی گواہی دیتا ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس نے کسی

اچھے کام کی بنیاد ڈالی تو اسے اس کا اجر اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملے گا۔

لہٰذا بعد کے ادوار میں جو کوئی بھی قرآن کو جمع کرے گا، اس کا اجر قیامت تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ملتا رہے گا۔ (فتح الباری:۹/۱۳)

مملکت توحید سعودیہ عربیہ کو بھی موجودہ دور میں قرآن کی طباعت اور اس کی نشر واشاعت کا شرف حاصل ہے۔ اللہ تعالی انہیں دنیا وآخرت میں اس کا جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسی طرح خیر وبھلائی کی طرف اشارہ کرنے کی ایک عمدہ مثال وہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ہم اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے، تو انہوں نے کہا: کاش کہ تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو مختصر کتاب میں جمع کردیتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: تو میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی، اور میں نے الجامع الصحیح کو جمع کرنا (لکھنا) شروع کردیا۔

(غور کیجئے!) اسحاق ابن راہویہ کی زبان مبارک سے ایک کلمہ صادر ہوا جس کا بدلہ انہیں اجر عظیم کی صورت میں ملا، اور امام بخاری کو صحیح احادیث جمع کرنے میں سبقت وپیش قدمی کا شرف حاصل ہوا، اس لیے کہ ان کا یہی ایک جملہ صحیح بخاری کی تالیف کا سبب بنا، اسی طرح ان ادوار میں جن لوگوں نے بھی صحیح بخاری کو نقل کرنے اور اس کو طبع کرنے نیز اس کو لوگوں میں عام کرنے کا کام کیا وہ بھی اجر کے مستحق ٹھہریں گے۔ بلکہ علم رجال پر کام کرنے والے بھی اجر وثواب سے بہرہ مند ہوں گے۔ (تذکرۃ السامع والمتکلم:۶۴)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ امام بخاری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے بعد تمام مسلمانوں کے لئے علم نافع چھوڑا ہے، آپ کے اس عظیم الشان عمل کے ثواب کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا، بلکہ آپ نے خیر اور نیکی کا جو کام کیا ہے اس کا ثواب آپ کو ملتا رہے گا۔ (البدایۃ والنھایۃ:۱۱/ ۲۷)

امام بخاری رحمہ اللہ کی طرح مختلف ادوار میں تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، تاریخ، وغیرہ کے علمائے کرام پیدا ہوئے، جن کی وفات پر صدیاں بیت گئیں، لیکن اپنے کارناموں کی بنیاد پر اب بھی وہ زندہ ہیں۔

اسی طرح خیر وبھلائی کی طرف رہنمائی کی مثال مدارس وجامعات کو قائم کرنا ہے، جس سے امت مسلمہ کو خیر وبھلائی پہنچتی رہتی ہے، جنہوں نے بھی ان جامعات کی بنیاد ڈالی، انہیں اس کا اجر وثواب ان کی قبروں میں سدا پہنچتا رہے گا۔

(۶) علم کی اہمیت اور اس کی نشر واشاعت میں علماء کے آثار:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم حاصل کرو، اور لوگوں کو بھی علم سے بہرہ ور کرو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علماء قیامت تک باقی رہتے ہیں، ان کی ذات تو موجود نہیں ہوتی لیکن ان کے علمی آثار دلوں میں موجود ہوتے ہیں۔

عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے اعمال میں سب سے پختہ اور مضبوط عمل، علم کی نشر واشاعت ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نہیں سمجھتا ہوں کہ تعلیم وتعلم سے زیادہ فضیلت کسی اور عبادت کو حاصل ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری جانکاری کے مطابق نبوت کے بعد فضیلت وشرف میں علم کو عام کرنے سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں ہے۔

عبداللہ ابن معتز فرماتے ہیں: انسان کا علم اس کی دائمی اولاد ہے۔ مزید فرمایا: جو کسی علم کو زندہ کرے وہ کبھی مرتا نہیں ہے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جسے یہ بات پسند ہو کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے عمل کا سلسلہ منقطع نہ ہو تو وہ تدوین اور تعلیم کے ذریعہ علم کی نشر واشاعت کرے۔ (التذکرۃ:۵۵)

اور ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیشک ایک عالم جب اپنے علم کا پودا دوسرے کے یہاں لگا دے پھر وہ وفات پا جائے، تو اس کا اجر اسے سدا ملتا رہے گا، اس کا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا، اور وہ اس کی دوسری عمر اور نئی زندگی ہوگی۔ (مفتاح دار السعادۃ:۱/ ۱۴۸)

انہوں نے مزید فرمایا: اس باب میں بہت سی آحادیث وارد ہیں، ایک مستقل کتاب میں ہم نے علم واہل علم کی فضیلت میں دوسو دلیلیں بیان کی ہیں۔ اس کا کیا ہی عظیم مقام ومرتبہ اور جلیل القدر منقبت ہے، جو آدمی اپنی زندگی میں علم کی نشر واشاعت میں حصہ لے اور قبر میں جب اس کے اعضاء منتشر ہو جائیں گے اور اس کے جوڑ بدن سے الگ ہو جائیں گے تو اس حالت میں بھی ان کے نامہء اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا، ہر لمحہ اس کی نیکیاں بڑھتی رہیں گی، اور اعمال خیر کے اجر اس تک پہنچتے رہیں گے، اللہ کی قسم! یہ بڑے شرف اور فضل کی بات ہے لہٰذا سبقت کرنے والوں کو اس میں سبقت کرنی چاہیے، اور یہ امر اس لائق ہے کہ اس کے لئے آخری سانس تک کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ (طریق الھجرتین:۳۵۳)

جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی، تو ان کے شاگرد ابن مری حنبلی نے اپنی وصیت میں ان کی کتابوں کو جمع کرنے کی بات کہی، اور کہا: اللہ کی قسم، اگر اللہ چاہے گا تو ان کی کتابوں کی تدوین، نشر واشاعت، نصرت و تائید اور ان کی امتیازی خصوصیات و مفاہیم کو عیاں کرنے کے لئے ایسے ماہرین کو پیدا کرے گا جو ابھی اپنے باپوں کی پشت میں ہیں (المداخل الی آثار شیخ الاسلام ابن تیمیۃ: ۱۰۰) اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی یہ تمنا اور بات ثابت ہوگئی۔ چنانچہ علمائے کرام نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں کی تحقیق اور افادہ عام کے لیے ان کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔ ()(اور آج پوری دنیا اس سے استفادہ کر رہی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ”ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قیامت کے دن آدمی کا عمل لایا جائے گا، اور اسے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا، تو اس کا عمل ہلکا ہوگا، پھر بادلوں کے مثل دوسرا عمل لایا جائے گا، اسے بھی ترازو کے اس پلڑے میں رکھا جائے گا، تو اس کا پلڑا بھاری ہو جائے گا، تو اس سے کہا جائے گا تمہیں معلوم ہے یہ تمہارا

کونسا عمل ہے؟ وہ جواب دے گا، نہیں معلوم ہے، تو کہا جائے گا یہ تمہارا وہ عمل ہے جو تم نے (دنیا میں) لوگوں کو علم دیا تھا، اور لوگوں نے اس پر عمل کیا اور اسے دوسروں کو سکھلایا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ: ۱/۲۱۰)

جمال الدین شافعی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: جو علم نافع چھوڑ کر مر جائے وہ مردہ نہیں کہلائے گا، نا ہی اس کی کوشش ضائع ہوگی، بلکہ اس کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ گرچہ اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی، مگر اس کے اجر میں اضافہ ہوتا رہے گا گرچہ اس کی شخصیت معدوم ہو جائے۔

یحییٰ بن اکثم رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: مجھ سے پوچھا گیا۔ مراتب میں سب سے اشرف کیا ہے؟ میں نے کہا، جس مرتبہ پر آپ ہیں، اے امیر المومنین! انہوں نے کہا: مجھ سے بھی اشرف کسی کو جانتے ہو؟ میں نے کہا، نہیں، انہوں نے کہا، لیکن میں جانتا ہوں، ایک ایسا شخص جو حلقہ درس میں بیٹھ کر حدثنا فلان عن فلان، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا بلند کرتا رہتا ہے، میں نے کہا اے امیر المومنین، ایسا شخص آپ سے بہتر ہے، جبکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تمہارے لیے بربادی ہو، ایسا شخص مجھ سے بہتر ہے، اس لیے کہ اس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑا ہوا ہے، وہ کبھی بھی مردہ نہیں کہلائے گا، ہم مرتے ہیں، اور فنا ہو جاتے ہیں، اور علماء جب تک زمانہ باقی رہے گا باقی رہیں گے (ادب الاملاء والاستملاء، ص: ۲۰)، سچ فرمایا اللہ تعالی نے يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ. تم سے جو ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے گا۔ (المجادلہ: ۱۱)

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی اللہ تعالی تم میں سے اہل علم کو دنیا میں بطور تکریم اور آخرت میں بطور اجر وثواب بلند درجات پر فائز کرے گا، اس آیت کریمہ میں علم اور اہل علم کے لیے ایک عظیم فضیلت کا ذکر ہے۔ (فتح القدیر: ۵/۲۲۶)

ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ طلب علم افضل اعمال میں سے ہے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر نیت درست ہو تو علم کے برابر کوئی چیز نہیں۔ (شرح حلیۃ طالب العلم: ۱/۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دی، تو اسے اس ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا، اور پیروی کرنے والوں کے ثواب میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۲۶۷۴)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں: علم سیکھنے سکھانے اور اس کی طرف دعوت دینے کے باب میں یہ سب سے بڑی فضیلت ہے۔ (تنویر الحوالک: ۱/۱۷۰)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کسی نے کوئی حدیث بیان کی، اور اس پر عمل کیا گیا، تو اس پر عمل کے بقدر اسے اجر ملے گا۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات چیزوں کا اجر آدمی کو اس کے مرنے کے بعد قبر میں بھی ملتا رہتا ہے، جس نے تعلیم دی، یا کوئی نہر کھدوائی، یا کوئی کنواں کھدوایا، یا کھجور کے درخت لگوائے، یا مسجد بنوائی، یا کوئی اولاد چھوڑی ہو جو اس کی موت کے بعد اس کے لیے استغفار کرے، یا کوئی مصحف ورثہ میں چھوڑی ہو (اسے امام بزار نے روایت کیا اور علامہ البانی نے حسن قرار دیا)

شاعر کا کہنا ہے:

علم ایک حیرت انگیز امر ہے، اس پر غور کرو، علم جوہر کے خزانوں سے زیادہ نفع بخش ہے، خزانے گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ ختم ہوجاتے ہیں، جبکہ علم تا ابد باقی رہتا ہے۔

صاحب علم مرنے کے بعد بھی زندہ وجاوید ہوتا ہے، حالانکہ مٹی کے نیچے اس کے تمام اعضاء ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں، اور جاہل آدمی مردہ ہوتا ہے، حالانکہ زمین پر چلتا پھرتا ہے، (اس کا) شمار زندوں میں ہوتا ہے حالانکہ وہ معدوم ہوتا ہے۔

محمد بن عبدالاعلی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، میں نے معتمر بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا، کہ میں کوفہ میں تھا اور میرے والد نے مجھے خط لکھا "اے میرے بیٹے! کاپی خرید لو اور احادیث لکھو، اس لئے کہ علم ہی باقی رہتا ہے اور دینار ودرہم سب ختم ہوجاتے ہیں"۔

شاعر کہتا ہے:

بیشک مال جلد ہی ختم ہوجاتا ہے
اور علم ہمیشہ باقی رہتا ہے

شیخ سعدی فرماتے ہیں: موت کی وجہ سے جب اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا، اور بندوں کے صحیفے بند کردیے جائیں گے، تو اہل علم کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہے گا، جب جب ان کے ارشادات وہدایات سے فائدہ اٹھایا جائے گا، اور ان کے اقوال وافعال سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ ایک عقل مند کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے قیمتی اوقات اور عمر کے اہم حصوں کو اسی میں صرف کرے۔ (الفتاویٰ السعدیۃ: ۱/۱۱۳)

قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جنہوں نے اسلامی ممالک میں طلبہ کے علمی استفادہ کے لئے مدارس وجامعات میں کتابیں وقف کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **إن في ذلک لذکری لمن کان له قلب أو ألقی السمع وهو شهيد.** (ق: ۳۷) بے شک اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل سے متوجہ ہوکر کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔

☆☆☆

کلامِ اقبال پر جوش ملسیانی کے اعتراضات کا جائزہ

دانش جمال

دنیائے شعر و ادب میں کچھ ایسے شعراء اور سخنور گزرے ہیں جو اقلیمِ سخن کے بے تاج بادشاہ رہے ہیں۔ جن کے دم سے الفاظ و معانی کی فصیلیں مستحکم و پائیدار رہی ہیں۔ جن کا رخشِ قلم رزم گاہِ معانی میں سرپٹ دوڑتا تھا۔ جن کی تیغِ قلم سے معنی آفرینی کے کشتے کے پشتے لگ جاتے تھے۔ جن کی گہرائیِ فکر کے سامنے قارون بھی کرسی نشیں نظر آتا تھا۔ جن کا تخیل صرف عنقاء کا ہی شکار کرتا تھا۔ جن کا ہر نقطہ قطرہ خوں اور ہر لفظ پارہ جگر ہوا کرتا تھا۔ جن کا ہر مصرع نالہ سحر اور ہر شعر دانہ اشک ہوا کرتا تھا۔ جو چمنِ معانی کے طوطیِ بلند پرواز تھے۔ میری مراد میر و مرزا اور اقبال سے ہے یعنی مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر، میر انیس، مرزا غالب اور اقبال۔ حضرت سودا اور میر کے بارے میں صرف اتنا عرض ہے کہ یہ بادشاہِ سخن ہیں۔ میر انیس کو ادباء و شعراء نے شاعر اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ مرزا غالب عروسِ سخن کے نوشہ ہیں۔ آبروئے شاعری اگر غزل ہے تو آبروئے شعراء غالب ہیں۔ اقبال خاتم الشعراء ہیں۔ ان کے جام سے جو کچھ چھلک گیا وہی متاخرین کی متاعِ حیات ہے۔ ان کا اندازِ سخن شانہ زلفِ الہام اور رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل ہے۔

اقبال کا اقبال ایسا بلند ہوا کہ زہرہ، مریخ اور عطارد وغیرہ بھی کمتر نظر آئے۔ فلک شاعری پر صرف انہی کا جلوہ رہا۔

ان کے جہاں بے شمار مداح رہے ہیں وہیں ان کے کلام پر ایراد و اعتراض کرنے والے کچھ معترضین و ناقدین بھی رہے ہیں جن میں حسرت موہانی، عبدالحلیم شرر، سیماب اکبرآبادی، سید برکت علی گوشہ نشین اور پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی قابل ذکر ہیں۔

سید سلیمان ندوی رموز بے خودی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''زبان کے لحاظ سے میں ڈاکٹر اقبال کو ان شعراء میں گنتا ہوں جو معنوی محاسن اور باطنی خوبیوں کے مقابلے میں الفاظ اور محاوروں کی ظاہری صحت کی پروا نہیں کرتے لیکن حق یہ ہے کہ اس ایک لغزشِ مستانہ پر ہزاروں سجدہ متین رفتاریں قربان ہیں۔''

علامہ اقبال حضرت سید سلیمان ندوی سے مشورہ سخن تو کرتے تھے یہاں تک کہ انہیں ''استادکل'' سے بھی خطاب کرتے تھے لیکن ان کی ہر بات جوں کا توں نہیں مان لیتے تھے بلکہ تنقید و تحقیق کی کسوٹی پر اسے پرکھتے بھی تھے۔ اسی لیے علامہ نے جہاں سید سلیمان ندوی کی بہت سی باتوں کو قبول کیا ہے وہیں ان کی بہت سی باتوں کو رد بھی کیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ علامہ اقبال ایک ایک مصرعہ اور شعر کے لیے انتہا درجے کی کوشش کرتے تھے۔ لہو کو خشک کرتے تھے تب کہیں جا کر ایک مصرعہ تر کی صورت نظر آتی تھی۔

خشک سیروں تنِ شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعہ تر کی صورت

پروفیسر گوپی چند نارنگ اپنی کتاب ''اقبال کا فن'' میں علامہ اقبال کے زمانہ طالب علمی کا ایک شعر:

لطف بڑھ جاتا ہے سخن گوئی کا
شعر نکلے صدفِ دل سے گہر کی صورت

ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ ''یہ صدفِ دل سے شعر کے گہر کی صورت نکلنے کا معیار اقبال نے ہمیشہ اپنے سامنے رکھا اور اگر کوئی مصرع یا شعر گہر کی طرح چمکتا دمکتا نظر نہیں آیا تو یا تو انہوں نے اسے اپنے کلام سے خارج کر دیا اور یا پھر چمکانے، دمکانے اور نکھارنے، سنوارنے کی طرف متوجہ ہوئے۔''

1918 میں جب ''رموز بے خودی'' چھپی تو جسٹس دین محمد نے علامہ اقبال سے کہا کہ یوں تو ساری مثنوی لاجواب ہے لیکن اس کا ایک شعر مجھے خاص طور سے پسند آیا ہے اور وہ شعر یہ ہے:

درمیانِ کارزار کفر و دیں
ترکشِ مارا خدنگِ آفریں

علامہ نے فرمایا دین محمد! یہ شعر میری چالیسویں کوشش کا نتیجہ ہے۔

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علامہ اقبال لفظوں کی تراش خراش کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔ خوبصورت اور انوکھی ترکیبیں صرف آپ ہی کا حصہ تھیں۔ اسی لیے اکبر الہ آبادی آپ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے بقول کلامِ اقبال اردو شاعری کی بہترین لفظیاتی روایت کا روشن نمونہ ہے۔

اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس پر اعتراض وایرادنہ کیا گیا ہو۔ کوئی ایسا نہیں جو مکمل ہو۔ خورشیدِ جہاں تاب پر بھی کبھی گہن لگ جاتا ہے۔ ماہِ تمام بھی ناتمام ہوتا جاتا ہے۔ ستارے بھی کبھی مدھم مدھم سے نظر آتے ہیں۔ دن پر بھی تو گیسوئے شب کا سایہ پڑتا رہتا ہے۔ تو بطور انسان اور شاعر اقبال کے یہاں بھی کچھ کمی بیشی ہو تو کیا حرج ہے۔

علامہ پر ویسے تو بہتوں نے اعتراض کیا ہے۔ فکری اعتبار سے بھی اور فنی اعتبار سے بھی۔ لیکن باقاعدہ کتابی شکل میں دو لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ اول تو ایک شیعی عالم حضرت سید برکت علی گوشہ نشین نے ''اقبال کا شاعرانہ زوال'' لکھ کر کیا ہے۔ دوم حضرت عرش ملسیانی کے والد پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی نے ''اقبال کی خامیاں'' نامی کتاب کے ذریعے کیا ہے۔

آخر الذکر کتاب مضمون کی شکل میں 1928 میں پہلی بار لالہ کرم چند کے ہفتہ وار اخبار ''پارس'' میں جراح کے فرضی نام سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں اسے کتابی شکل میں جوش ملسیانی کے نام سے شائع کیا گیا۔ زیرِ نظر مضمون میں اسی کتاب کے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت جوش ملسیانی کا شعری ذوق بہت عمدہ اور اعلی پائے کا تھا۔ تاہم ان کے اعتراض پر بھی کچھ نہ کچھ کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ مضمون اسی سلسلے کی ایک ناچیز کوشش ہے۔

حضرت جوش ملسیانی کے تذکیر وتانیث کے حوالے سے علامہ پر کئی اعتراض ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مذکورہ بالا شعر کے مصرع اول کے متعلق فرماتے ہیں کہ لفظِ متاع مونث ہے اس لیے اسے مذکر باندھنا غلط ہے۔ دلیل میں امامِ شعرا حضرت میر تقی میر کا شعر پیش کرتے ہیں:

قدر رکھتی نہ تھی متاع دل
سارے عالم میں مَیں دکھا لایا

لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ لفظ تذکیر وتانیث کے حوالے سے مختلف فیہ ہے۔نور اللغات میں ہے کہ ترجیح تانیث کو ہے لیکن فرہنگ آصفیہ میں اسے صرف مذکر لکھا گیا ہے اور پھر کہا گیا ہے کہ اہل دہلی مونث اور اہل لکھنؤ مذکر بولتے ہیں۔

اس کے تحت نسیم لکھنوی کا یہ شعر درج ہے:

کی گہر ریزی ہمارے آبلوں نے ٹوٹ کر
تھا متاعِ عمر جو وقف بیاباں ہوگیا

جدید نسیم اللغات میں ہے کہ اکثر لوگ مونث بولتے ہیں اور بعض لوگ مذکر بھی۔ اردو ادبی لغات میں بھی اسے مذکر ہی درج کیا گیا ہے۔ معین الشعراء میں بھی مذکر و مونث دونوں کا ذکر ہے اور بطور استشہاد نسیم کا یہی شعر پیش کیا گیا ہے۔ مہذب لکھنوی کی مہذب اللغات میں بھی یہی لکھا ہے کہ یہ لفظ بطور تذکیر بھی نظم ہوا ہے اور دلیل میں حضرت نسیم کا مذکورہ شعر پیش کرتے ہیں۔ دستور الشعراء میں بھی یہی کہا گیا ہے۔

یہ درست ہے کہ علامہ نے لفظِ متاع کو کئی جگہ مذکر باندھا ہے لیکن کئی جگہ مونث بھی باندھا ہے۔ ملاحظہ ہوں چند اشعار:

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

نہ فقر کے لیے موزوں، نہ سلطنت کے لیے
وہ قوم جس نے گنوائی متاعِ تیموری

تیری متاعِ حیات، علم و ہنر کا سرور
میری متاعِ حیات ایک دل ناصبور!

مشہور نظم شمع اور شاعر کے ایک مصرع

ترے امروز سے ناآشنا فردا ترا

پر حضرت جوش اعتراض کرتے ہیں کہ مذکورہ مصرع میں لفظ فردا مذکر باندھا گیا ہے جب کہ فصحا نے اسے مونث باندھا ہے۔ اور دلیل میں حضرت میر علی اوسط رشک کا شعر پیش کرتے ہیں:

وعدہ فردا میں فردائے قیامت دیکھ لی

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ فردائے قیامت ترکیب کی صورت میں مونث ہی مستعمل ہے جیسا کہ اہل لغات نے صراحت کی ہے۔ لیکن تنہا ''فردا'' مذکر بھی باندھا گیا ہے۔

فردا کا سوچ تجھ کو کیا آج ہی پڑا ہے
کل کی سمجھ یوں کل ہی کل تو اگر رہے گا

وہ دریا پار میں ہجرت کی شب مشکل سیں کاٹی ہے
نہ کر فردا کا وعدہ اس کا فردا بور گھاٹی ہے

نظم ''ترانہ ملی'' کے شعر

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

کے متعلق حضرت جوش فرماتے ہیں کہ مصرع ثانی میں لفظ ''سیل'' کو مذکر باندھا گیا ہے جب کہ یہ لفظ مونث ہے۔

دلیل میں حضرت میکش شاگردِ غالب کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

آنکھ کے حلقے میں آکر رک گئی ہے سیل اشک
کشتی تھی دریا میں اب کشتی میں دریا ہوگیا

لیکن صحیح یہ ہے کہ لفظِ سیل مختلف فیہ ہے اور مذکر بھی مستعمل ہے جیسا کہ حضرت جلال لکھنوی نے اپنی کتاب ''تذکیروتانیث المعروف بہ مفید الشعراء'' میں ذکر کیا ہے اس لیے کسی ایک کو ترجیح دے کر دوسرے کو غلط قرار دینا زیادتی ہے۔ بطور دلیل اشعار ملاحظہ ہوں:

حضرت میرؔ فرماتے ہیں:

نے دل رہا بجا ہے نہ صبر و حواس و ہوش
آیا جو سیلِ عشق سب اسباب لے گیا

حضرت نظیرؔ اکبرآبادی فرماتے ہیں:

طوفاں اٹھا رہا ہے مرے دل میں سیل اشک
وہ دن خدا نہ لائے جو میں آب دیدہ ہوں

مومنؔ فرماتے ہیں:

کیا روؤں خیرہ چشمی بخت سیاہ کو
واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں سیل ڈھل گیا

ذوقؔ کہتے ہیں:

پتھروں میں ٹھوکریں کھاتا ہے ناحق سیل آب
پوچھو کیا لے جائے گا آکر مرے غم خانہ میں

مذکورہ بالا اشعار میں لفظ مذکر استعمال ہوا ہے۔

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی
تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا
کرتے تھے ادب ان کا اعالی و ادانی
لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
تھی تہہ میں کہیں دُردِ خیالِ ہمہ دانی

آخری شعر کے مصرع ثانی کے متعلق حضرت جوش ملسیانی ایراد کرتے ہیں کہ لفظ ''دُرد'' فصحاء کے کلام میں مذکر آیا ہے مگر یہاں مونث باندھا گیا ہے۔

علاوہ ازیں لفظِ ''کہیں'' کی جگہ ''مگر'' آنا چاہیے تھا یعنی مولوی صاحب صوفیانہ مذاق رکھتے تھے۔ پرہیزگار بھی تھے مگر ہمہ دانی کا غرور بھی تھا۔ مزید یہ کہ آخری مصرعہ میں ''تھی'' کی جگہ ''تھا'' کہنا چاہیے کیوں کہ ''دُرد'' مذکر ہے۔

پھر سند میں حضرت آتشؔ کا یہ شعر پیش کرتے ہیں:

کہتے ہیں عطر جس کو یہ مردم گلاب کا
اے ترک دُرد ہے تری جھوٹی شراب کا

پھر فرماتے ہیں کہ ''خیال ہمہ دانی'' کی جگہ ''غرور ہمہ دانی'' کہنا چاہیے تاکہ مطلب عام فہم ہوجائے۔

اتنا سب کچھ لفظ ''دُرد'' کو لے کر کہا گیا ہے حالانکہ یہ لفظ مونث بھی مستعمل ہے۔ حضرت امیر مینائی فرماتے ہیں:

ساقیا درد مئے صاف نہیں بیٹھ گئی
شربت ڈاک تھی یہ زیرنگیں بیٹھ گئی

علاوہ ازیں لفظ ''کہیں'' سے جو بلاغت و چاشنی پیدا ہوتی ہے وہ ''مگر'' سے نہیں پیدا ہوتی کیونکہ جس طرح سے صراحی میں نیچے کہیں درد و تلچھٹ جمی اور بیٹھی رہتی ہے اسی طرح سے زاہد کے من میں بھی کہیں نہ کہیں ہمہ دانی کا شائبہ موجود ہوتا ہے۔مزید برآں خیال کا معنی پندار وغرور بھی ہوتا ہے جس سے مفہوم کی وضاحت ہوجاتی ہے۔خلاصہ یہ کہ مصرع بالکل درست ہے۔اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

جواب شکوہ کے مصرع

''چاند کہتا تھا نہیں اہلِ زمیں ہے کوئی''

پر ایراد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اہل'' جمع کے لیے آتا ہے اس لیے یہاں واحد کے لیے اصولاً اور رواجاً درست نہیں۔ لفظِ اہل فصحا کے یہاں ہمیشہ بطور جمع استعمال ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مذکورہ لفظ اکثر جمع کے طور پر استعمال ہوتا ہے خود علامہ نے بھی استعمال کیا ہے لیکن واحد بھی درست ہے گرچہ قلیل الاستعمال ہے۔

بیخود دہلوی فرماتے ہیں:

دیکھنا کھیل نہیں جلوہ دیدار ترا
پہلے موسی سا کوئی اہلِ نظر پیدا کر

حفیظ جالندھری فرماتے ہیں:

اہل زباں تو ہیں بہت کوئی نہیں ہے اہل دل
کون تری طرح حفیظ درد کے گیت گا سکے

تیرا کمالِ ہستی ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلہ کوہسار میں

مذکورہ شعر میں لفظِ جاندار کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے نون کا اعلان سراسر ناواجب اور فصحاء کے دستور العمل کے منافی ہے۔

اس کے علاوہ علامہ کے ایک اور شعر

عجب واعظ کی دینداری ہے یارب
عداوت ہے اسے سارے جہاں سے

کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ جس طرح لفظ دینداری میں اعلانِ نون جائز نہیں اسی طرح سے لفظ جاندار میں بھی اعلان نون جائز نہیں۔

مذکورہ دونوں باتیں نادرست اور محل نظر ہیں کیونکہ لفظ جاندار اور لفظ دیندار دونوں کے نون کا اعلان جائز اور درست ہے۔

علامہ حالؔی فرماتے ہیں:

اور کہا کالے سے تم کومل نہیں سکتی سند
کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار

حضرت شیفتہ فرماتے ہیں:

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
دینداری و پارسائی کی

آغا اکبرآبادی کا شعر ہے:

طواف کعبہ کو کیا جائیں حج نہیں واجب
کلال خانہ کے کچھ دیندار ہم بھی ہیں

مذکورہ بالا اشعار میں جاندار اور دیندار دونوں لفظوں میں اعلانِ نون ہوا ہے۔

جواب شکوہ کے شعر

وہ تو دیوانہ ہے، بستی میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے، حجابِ رُخِ لیلا نہ رہے

پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لفظ ''ضروری'' میں یا زائد ہے۔فصحا صرف ضرور لکھتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ متقدمین کلاسیکی شعرا لفظِ ضروری کی یا کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ''یا'' کا اظہار غیر فصیح ہے کیونکہ لفظِ ''ضروری'' کو بھی فصحا نے استعمال کیا ہے۔سند ملاحظہ ہو۔

عبدالحمید عدمؔ فرماتے ہیں:

کسی حسیں سے لپٹنا اشد ضروری ہے
ہلال عید تو کوئی ثبوت عید نہیں

داغؔ فرماتے ہیں:

ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی تو نہ ہو
ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بلکہ سوا

اکبرالہ آبادی کا شعر ہے:

ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہم سن کر نہیں سکتیں

امیر قزلباش کہتے ہیں:

اتنا بیداریوں سے کام نہ لو
دوستو خواب بھی ضروری ہے

وامقؔ جونپوری فرماتے ہیں:

پی لیا کرتے ہیں جینے کی تمنا میں کبھی
لڑکھڑانا بھی ضروری ہے سنبھلنے کے لیے

حفیظؔ میرٹھی کا شعر ملاحظہ ہو:

یہ ہنر بھی بڑا ضروری ہے
کتنا جھک کر کسے سلام کرو

مذکورہ اشعار میں لفظِ ''ضروری'' استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا بلا جھجھک استعمال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت جوش ملسیانی علامہ کے کئی مصرعے جن میں فارسی اور عربی کی ''یا'' دبتی ہے پیش کر کے اعتراض کرتے ہیں کہ فارسی کی یا تقطیع سے نہیں گرنی چاہیے۔مصرعے ملاحظہ ہوں۔

''طعن اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے''
''زندانی ہے اور نام کو آزاد ہے شمشاد''
''نادانی ہے یہ گرد زمیں طوف مر کا''
''اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی''

مذکورہ بالا مصرعوں میں 'رسوائی، زندانی، نادانی اور لفظِ ''مولوی'' کی یا گر رہی ہے اس لیے اعتراض کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں دو اقوال ہیں۔

پہلا یہ کہ عربی فارسی کی یا کا گرانا جائز نہیں۔اس کے قائل قدر بلگرامی صاحبِ قواعد العروض، حمید عظیم آبادی صاحبِ احتساب العروض، کندن لال کندن صاحبِ ارمغان عروض وغیرہ ہیں۔

دوسرا قول جائز قرار دینے والوں کا ہے جن میں یاس یگانہ چنگیزی صاحبِ چراغ سخن، پروفیسر گیان چند صاحبِ اردو کا اپنا عروض اور شمس الرحمٰن فاروقی صاحبِ عروض، آہنگ اور بیان وغیرہ ہیں۔

پروفیسر گیان چند بحوالہ قواعد العروض لکھتے ہیں کہ خاقانی اپنے تخلص کی ''یا'' کو اکثر گراتا ہے مثال کے طور پر

ع۔خاقانی عید آمد وخاقاں بہ یمن جود۔

لفظِ خاقان بروزن مفعول باندھا گیا ہے۔

مزید برآں آتش وانیس وغیرہ کی مثالیں دیتے ہیں جنہوں نے یائے فارسی کو گرایا ہے۔جیسے:

آتش:

خوں ریزی جس قدر کہ ہو اس سے عجب نہیں

انیس:

کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے

مذکورہ مصرعوں میں ''خوں ریزی'' اور ''علی'' کی یا گرتی ہے۔

علاوہ ازیں شمس الرحمٰن فاروقی بھی فارسی اساتذہ کی کئی مثالیں دیتے ہیں جو حروف علت کو بکثرت گراتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ کے مصرعے درست ہیں۔ کیونکہ اساتذہ نے استعمال کیا ہے۔

''تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں ''

'تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے'

کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''زندگی بسر کرنا'' زبان ہے۔''زندگی کرنا'' کیا ہے؟

تعجب ہوتا ہے کہ اتنا بڑا شاعر اور ایسا اعتراض!

امام الشعراء حضرت میر نے ''زندگی کرنا'' استعمال کیا ہے۔دلیل ملاحظہ ہو

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے

اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

جواب شکوہ کے تیسرے بند کے مصرعے

''تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذات قدیم''

پر اعتراض کرتے ہیں کہ ''ازل سے ہی'' کا استعمال درست نہیں۔بلکہ ''ازل ہی سے'' کہنا چاہیے۔

اس ترکیب کو رام پرساد بسمل نے اپنی نظم ''دور تک یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو'' میں استعمال کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

اپنی قسمت میں ازل سے ہی ستم رکھا تھا

رنج رکھا تھا، محن رکھا تھا، غم رکھا تھا

سفینۂ برگِ گُل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا

ہزاروں موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعے کے متعلق حضرت ملسیانی فرماتے ہیں کہ ''دریا کے پار ہوگا'' کہنا چاہیے۔

یعنی ''دریا سے ہونا'' غلط ہے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ''دریا سے پار ہونا'' بھی محاورہ ہے۔نور اللغات میں درج ہے۔

معترض کے شاگرد رام پرکاش اوہری ساحر نے خود استعمال کیا ہے۔

سارے طوفان ہو چکے پسپا

اب تو دریا سے پار اتار مجھے

بوند اک خون کی ہے تو لیکن

غیرت لعل بے بہا ہوں میں

فرماتے ہیں کہ ''لہو کی بوند'' زبان ہے۔''خون کا قطرہ'' زبان ہے۔''خون کی بوند'' ٹکسال سے باہر ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یہ سراسر زیادتی ہے۔''خون کی بوند'' کی ترکیب بھی مستعمل ہے۔

حضرت داغؔ دہلوی کا شعر ملاحظہ ہو:

جھلک رہی ہے سرِ شاخِ مژہ خون کی بوند
شجر میں پہلے ثمر سے کلی نکلتی ہے

کمالؔ لکھنوی کا شعر ہے۔

میں قتل ہوا ہوں تو مرے خون کی ہر بوند
تاریخ کے دامن پر اثر چھوڑ گئی ہے

علاوہ ازیں فصاحت جنگ، ملک الشعراء، شاگردِ امیر مینائی حضرت جلیل مانک پوری نے اپنی کتاب ''معیار اردو'' میں ''خون کی بوند ہے'' کا محاورہ بھی درج کیا ہے۔

متروکاتِ زبان کے متعلق حضرت جوش ملسیانی علامہ کے کئی مصرعوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فصحائے حال انہیں نظم ونثر میں استعمال نہیں کرتے۔ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ع- پر تری تصویر قاصد گریہ پیہم کی ہے
ع- یعنی یہ لیلا یہاں بے پردہ واں محمل میں ہے
ع- سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
ع- جو سدا مست شراب عیش وعشرت ہی رہا
ع- کلفت غم گرچہ اس کے رزو شب سے دور ہے
ع- شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
ع- تا بدخشاں پھر وہی لعل گراں پیدا کرے

مذکورہ بالا مصرعوں میں وارد پر، واں، گر، گرچہ، سدا، تلک، تاوغیرہ کو متروک قرار دیتے ہیں۔

جب کہ اس کے متعلق حضرت دتاتریہ کیفی شاگردِ حالی نے بڑی اچھی بحث کی ہے۔ متروکات پر ان کا مستقل ایک مضمون ہے جس میں انہوں نے مذکورہ الفاظ کو درست اور فصیح قرار دیا ہے اور دلیل میں مستند شعرا کا کلام بھی پیش کیا ہے۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ لفظِ ''تلک'' کے متعلق خود علامہ اقبال کا ہی شعر پیش کیا ہے۔ جب کہ حضرت جوش ملسیانی اقبال کو مستند ہی نہیں مانتے۔ مستند کی بات تو چھوڑیے کہنہ مشق بھی نہیں گردانتے۔

دلائل:

پر

امیر

سیہ کاری سے جی بھرتا نہیں پر شرم آتی ہے
کہاں تک بوجھ رکھئے کاتب اعمال کے سر پر

صفیؔ

لب پر ایک موج تبسم ہاتھ میں ہلکی سی تیغ
نیم بسمل سیکڑوں پر نیم جاں کوئی نہیں

برقؔ لکھنوی

ہر اک کا جدا ہے رنگ و روغن
پر سبزہ پہ ہے بلا کا جوبن

گر

داغؔ

فتنہ سازی بھی مرے دل کی قیامت ہوتی
گر ترے کوچے کی مٹی سے بنایا جاتا

امیرؔ

کرتے تو ہو سوال امیر اس سے حشر میں

اور اس کو گر جواب نہ آیا تو پھر کہو
بیخودؔ
سنوگے اسی طرح گر بن کے پتھر
نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکو گے
جلیلؔ
یہی عالم ہے گر جوش جنوں میں خاک اڑانے کا
زمیں بھی سر پہ اک دن آ رہے گی آسمان ہو کر
تلک
امیرؔ
دھوم کرنا ہے تو اے وحشت تو خاطر خواہ کر
شہر گردی کب تلک صحرا سے بھی کچھ راہ کر
یاں
امیرؔ
کسی پہ زخم پڑا یاں جگر پہ آئی چوٹ
بھلا ہو زخم کا اپنی ہوئی پرائی چوٹ
مجھ سے ہوسکتا کہ دیتا بازوئے قاتل کو رنج
واں ہوئی ابرو کو جنبش یاں بدن پہ سر نہ تھا
جلیلؔ
وعدے پہ نہ یاں آنا وعدہ نہ وفا کرنا
آنا تو الگ رہنا کرنا تو جفا کرنا
واعظ کی کیا مجال جو مستوں میں آ سکے
یاں ہوش کا گذر نہ کسی ہوشیار کا
چکبستؔ
سنتے ہیں انہیں کے لئے ہے کوثر وتسنیم
یاں جو رہِ مولا میں لٹاتے ہیں زر وسیم

حسرتؔ
نکلا جو واں سے پھر نہ فراغت ہوئی نصیب
آسودگی کی جان تری انجمن میں ہے
ہوں دولت وحشمت پر اربابِ ہوس ناداں
یاں بے سر و سامانی سامانِ محبت ہے
سدا
اکبرؔ
صدائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں سے کیا مطلب مجھے سرگم سے کیا مطلب
جلیلؔ
جلیل سنگ حوادث کا کیا کریں شکوہ
ہمارے دل نے سدا چوک پر اٹھائی
گرچہ
جلیل
دل کی لگی نہ ان سے بجھی آج تک جلیلؔ
دریا ہیں گرچہ دیدۂ پر نم لیے ہوئے
حالی
دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
تا
حالی
کوہ و صحرا سے تا لبِ دریا
جس طرف جائیں جی نہیں لگتا۔
جلیل
ترا شباب رہے ہم رہیں شراب رہے

یہ دور عیش کا تا دور آفتاب رہے

حضرت جوش ملسیانی کے اکثر اعتراض تو درست نہیں لیکن کئی اعتراض درست معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے:

لفظِ مینا کو علامہ نے مونث باندھا ہے حالانکہ یہ مذکر ہے۔

علامہ کا شعر یوں ہے۔

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

مذکورہ شعر میں لفظِ مینا مونث استعمال کیا گیا ہے جب کہ یہ مذکر ہے۔

آنکھیں تو وہ ملتی ہیں مگر دل نہیں ملتا
ساغر تو بہت خوب ہے مینا نہیں اچھا

مصرع اول فرہنگ آصفیہ میں اس طرح درج ہے۔

''آنکھیں تو ملاتے ہو مگر دل نہیں ملتا''

''کلاسکی ادب کی فرہنگ'' میں رشید حسن خان نے بھی بحوالہ آصفیہ یہی شعر نقل کیا ہے۔

لفظ مینا کے حوالے سے حضرت شادؔ عظیم آبادی کا بہت مشہور شعر ہے۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

علاوہ ازیں حضرت جلال نے اپنی کتاب تذکیر و تانیث میں اسے مذکر ہی لکھا ہے۔

وائے ناکامی فلک نے تاک کر توڑا اسے
میں نے جس ڈالی کو تاڑا آشیانے کے لیے

حضرت جوش فرماتے ہیں کہ ''ڈالی کو تاڑا یعنی منتخب کیا''۔

اردو میں تاڑنا کا مفہوم منتخب کرنا نہیں ہے۔

حضرت جوش کا اعتراض درست ہے۔ کیونکہ تاڑنا کا معنی پہچان لینا، بھانپ لینا اور قیافہ شناسی کے ہیں۔

ذوقؔ

ہم نے اول ہی کہا تھا تو کرے گا ہم کو قتل
تیوروں کا تاڑ جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے۔

''نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو''

فرماتے ہیں کہ لفظِ رہ کا تنہا استعمال اردو میں مکروہ ہے۔

یہ اعتراض بھی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ تنہا اس کا استعمال اساتذہ کے کلام میں نہیں ملتا۔ واللہ اعلم۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارہ

مذکورہ شعر پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لفظِ ''آبا'' کی نسبت سے لفظ سیارہ کو جمع استعمال کرنا چاہیے تھا۔

حضرت کا یہ اعتراض بھی درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ شعر کو اگر نثر میں ادا کر کے جائزہ لیا جائے تو جمع کا ہی سیاق بنتا ہے۔

کیوں بڑی بی مزاج کیسے ہیں؟
گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں

مذکورہ شعر کے متعلق کہتے ہیں کہ ''مزاج کیسے ہیں'' کا محاورہ بازاری زبان ہے۔''مزاج کیسا ہے'' ہونا چاہیے۔

یہ اعتراض بھی درست ہے۔

اس تعلق سے شمس الرحمٰن فاروقی اپنی کتاب ''لغات روزمرہ'' میں جوش ملیح آبادی کے ''مزاج کیسے ہیں'' کے محاورے کو غلط قرار دینے پر انہیں اصولِ زبان سے بے خبر بتاتے ہیں۔اور فرماتے ہیں کہ زبان میں منطق یا قیاس سے زیادہ سماع کی کارفرمائی ہے۔

اگر ایسی ہی بات ہے تو لغات روزمرہ کی بہت سی باتیں محل نظر قرار پائیں گی کیوں کہ منطق کو مدنظر رکھ کر بہت سارے ایسے الفاظ کو غلط قرار دیتے ہیں جو محاورے میں بے تکلف بولے اور استعمال کیے جاتے ہیں۔مثال کے طور پر انکساری بجائے انکسار، ناراضگی بجائے ناراضی اور محتاجگی بجائے محتاجی جیسے الفاظ۔جب کہ ناراضی ،محتاجی وغیرہ کون بولتا ہے۔جوش ملیح آبادی کی تردید میں ''مزاج کیسے ہیں'' کو درست قرار دیتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی دلیل دیتے ہیں کہ جس طرح سے ''آپ کے ابا کیسے ہیں'' اور ''آپ کی اماں کیسی ہیں'' میں احتراما و تعظیما لفظ ''ابا'' اور ''اماں'' کے واحد ہونے کے باوجود ''کیسے ہیں'' بولا جاتا ہے اسی طرح سے ''مزاج کیسے ہیں'' بھی تعظیما درست ہے۔

لیکن حق تو یہ ہے کہ حضرت شمس الرحمٰن فاروقی کی یہ ایک عجیب وغریب منطق اور تشریح ہے۔''آپ کے ابا کیسے ہیں'' میں ذات کی وجہ سے تعظیم و احترام ہے لفظ کی وجہ سے نہیں۔ظاہر ہے کوئی نہیں کہے گا کہ آپ کا ابا یا آپ کا والد کیسا ہے۔لیکن ''آپ کے مزاج کیسے ہیں'' میں صرف حالت و کیفیت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تعظیم کی بات ہی نہیں ہے۔اس مفہوم میں ''آپ کیسے ہیں'' کا محاورہ استعمال کیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ مستعمل ہے۔حضرت شمس الرحمٰن فاروقی بطور دلیل علامہ اقبال کا مذکورہ بالا شعر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضرت علامہ نے بھی استعمال کیا ہے۔ حالانکہ انہیں معلوم نہیں ہوسکا کہ علامہ اقبال پر بھی وہی اعتراض ہے۔اور معترض بھی جوش ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ ایک ملسیانی ہیں دوسرے ملیح آبادی۔بطور دلیل فاروقی صاحب حضرت قائم چاند پوری کا صرف ایک شعر پیش کر سکے ہیں۔

شعر یوں ہے:

کچھ لگ چلا تھا رات میں بولا کہ خیر ہے
حضرت مزاج آپ کے کدھر بہک گئے

مذکورہ شعر کلیات قائم چاند پوری میں نہیں مل سکا۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظِ مزاج بطور واحد ہی درست اور فصیح ہے۔بطور جمع نہیں۔

تمام اہم اور مستند لغات میں ''مزاج'' کو واحد ہی درج کیا گیا ہے۔اور اساتذہ سخن نے بھی واحد ہی استعمال کیا ہے۔

فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، مہذب اللغات، جدید نسیم اللغات، کریم اللغات، نئی اردو لغت (جامع) وغیرہ میں مزاج کو واحد ہی درج کیا گیا ہے۔

نور اللغات میں مزاج کے تحت تقریبا نوے (90)

محاورے درج ہیں لیکن سب میں لفظ مزاج واحد ہی مستعمل ہے۔ دلیلیں ملاحظہ ہوں:

میر

دل جو زیر غبار اکثر تھا
کچھ مزاج ان دنوں مکدر تھا

ناسخ

ناسخ یہی تجھ سے پوچھتا ہے
کیسا ہے مزاجِ یارِ قاصد

برق

آ گئی ان کی طبیعت بھی کسی پر جو کبھی
ان سے پوچھیں گے مزاج آج کہو کیسا ہے

شوق لکھنوی

حال چہرے کا آج کیسا ہے
خیر تو ہے مزاج کیسا ہے

عزیز لکھنوی

اس نے پوچھا مزاج کیسا ہے
دل جو اٹڈا ہوا تھا بھر آیا

منیر شکوہ آبادی

اے منیر آپ کیوں ہیں آزردہ
یہ تو کہئے مزاج کیسا ہے

عبدالحمید عدم

شعلۂ غم کی لپک اور مرا نازک سا مزاج
مجھ کو فطرت کے رویے پہ ہنسی آتی ہے

رشک

قاصد کا مزاج ہے فلک پر
اس ماہ نے خط پڑھا ہمارا

قدر

ہنستے ہوئے جو آپ چلے آئیں دفعتا
کیا شاد ہو حضور کے ناشاد کا مزاج

آرزو سہارنپوری

بڑے سکون سے گزرے گی اب حیات مری
سمجھ چکا ہوں ترے غم تری خوشی کا مزاج

صبا

ممکن نہیں مزاج رہے ایک حال پر
گہہ آشنائے عیش ہے گہہ آشنائے رنج

جلیل

کچھ اس ادا سے آپ نے پوچھا مرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

☆☆☆

زنا و بدکاری کے چند اسباب اور اس سے بچنے کی چند تدبیریں

محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی

معزز قارئین: ارتکاب زنا کے چند اسباب درج ذیل ہیں:
اسباب دو قسموں میں منقسم ہیں: ۱- اجتماعی اسباب، ۲- انفرادی اسباب

۱- اجتماعی اسباب:

(۱) شریعت اسلامیہ کو تطبیق نہ دینا، یعنی اسلامی شریعت پر پورے طور پر عمل نہ کرنا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرنا، من مانی کرنا، اور ہوی و ہوس کے پیچھے چلنا۔

(۲) سماج اور گاؤں گھر کے ماحول کا اعتبار کر کے نکاح وزواج شرعی سے دور ہونا، لوان ریلیشن شپ سے کام چلانا، یا تسویف وتطویل سے کام لینا، یا والدین وسرپرست حضرات کی عدم توجہی۔

(۳) اختلاط مخلوط نظام تعلیم۔

(۴) فتنے کی جگہوں کا زیادہ سے زیادہ چکر لگانا، مول، سوپر مارکیٹ، گارڈن، پارک، سمندر، بازار، ساحل سمندر، کی زیارت کرنا۔

(۵) بے حیائی و بے پردگی تبرج وسفور کا عام ہونا، اور بے پردگی کا عموم بلوی کی شکل اختیار کرنا۔

(۶) سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا و پرنٹ میڈیا کا طوفان بدتمیزی۔

(۷) بیسواؤں، طوائفوں کی کثرت، اور ریڈ علاقے کا کثرت سے پایا جانا۔

(۸) اس جرم عظیم کی قباحت کا احساس دل سے ختم ہو جانا، اور ماحول و نیو لائف اسٹائل کے چکر میں پڑنا۔

۲- انفرادی اسباب:

(۱) مرد و زن کا اختلاط ہونا۔

(۲) عورت کا حجاب اور نقاب کا نہ لگانا۔

(۳) مخلوط تعلیم یعنی ایک ساتھ لڑکے لڑکی کا پڑھنا لکھنا

(۴) بغیر محرم کے عورت کا اپنے گھر سے باہر سفر پر نکلنا

(۵) شادی لیٹ سے کرنا۔

(۶) جدید وسائل کا و ناجائز استعمال کرنا جیسے موبائل، اور انٹرنیٹ وغیرہ کا غلط استعمال کرنا۔

(۷) عورت کا گھر سے بے پردہ خوشبو لگا کر سج دھج کر نکلنا

(۸) عورت کا اجنبی مرد کو اور مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا

(۹) بیوی کا اپنے شوہر کو ایک سے زائد چار شادی کرنے پر سخت پابندی لگانا۔

(۱۰) بغیر حاجت وضرورت عام راستوں پر بیٹھنا۔

(۱۱) ایمان اور تقوی کی کمزوری۔

(۱۲) زوجین کا حق زوجیت کی ادائیگی میں خیانت کرنا

(۱۳) بے غیرت اور بے حیا نوجوانوں کی صحبت

اختیار کرنا۔

(۱۴) فحش میگزین اور مجلّات کا مطالعہ کرنا۔

(۱۵) نیم برہنہ تصاویر کا مشاہدہ کرنا۔

(۱۶) گندی و فحش فلم دیکھنا، سیریئل اور موویز کا عاشق ہونا۔

(۱۷) گانے اور میوزک کا رسیا ہونا۔

(۱۸) نشہ آور اشیاء کا استعمال کرنا۔

(۱۹) سیر و سیاحت کے لیے اپنی اولاد کو بالکل آزاد چھوڑ دینا۔

(۲۰) پیسہ کمانے کے لیے عورتوں اور بچیوں کو دکان پر مقرر کرنا۔

(۲۱) آخرت کے حساب و کتاب اور آتش دوزخ سے بیخبر اور بے فکر رہنا۔

(۲۲) غیر محارم سے خلوت میں ملنا جلنا۔

(۲۳) عورت کا اجنبی مردوں سے نرم لہجے میں گفتگو کرنا اور آواز میں لچک پیدا کرنا۔

(۲۴) شرعی قانون (شرعی حدود) کا نفاذ نہ ہونا۔

(۲۵) اپنی اولاد کو دینی تعلیم سے دور رکھنا اور ان کے اندر دینی مزاج نہ پیدا کرنا وغیرہ۔

(۲۶) مسکرات و منشیات کا استعمال کرنا، وغیرہ وغیرہ

زنا اور اس کے برے نتائج واثرات سے بچنے کیلئے دو بنیادی واصولی باتوں کو ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

۱- اللہ کا ڈر اور خوف ہمیشہ مستحضر رہے، قیامت کی ہولناکیوں اور قبر کی وحشتناکیوں کا تصور دائما ذہن میں سوار رہے، یہاں تک کہ انسان کی نگاہ میں معصیت کی رنگینیاں پھیکی پڑ جائیں اور اس کی کشش وجاذبیت ختم ہو جائے۔

۲- اس کا الٹی میٹم موجود ہو، یعنی اس کے سامنے صحیح، درست راہیں کھلی ہوئی ہوں تاکہ وہ جذبات کے مقابلہ میں نہتا اور غیر مسلح ہو کر نہ رہ جائے۔

زنا سے بچنے کی تدابیر:

۱- رہبانیت کی تردید و تجرد کا خاتمہ۔

اسلام رہبانیت اور اباحیت دونوں کے خلاف ہے۔ جنسی جذبہ اس کے نزدیک ایک فطری جذبہ ہے اور اس کی تسکین غلط نہیں ہے، البتہ اس کا اصرار ہے کہ یہ جائز طریقے سے ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ناجائز طریقے اختیار کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسے وہ زنا قرار دیتا ہے اور اس کی سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ وہ سماج کو زنا اور اس کی ترغیبات سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اہل ایمان کی ایک خصوصیت یہ بیان کرتا ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَفِظُونَ . إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ . فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُولَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ . (المؤمنون ۵-۷) جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں۔ جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔

ان آیات میں جنسی تسکین کے دو جائز طریقے بیان ہوئے ہیں۔ وہ ہیں ازواج یا باندیوں کے ذریعے جنسی تسکین حاصل کرنا۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ معاشرہ کا کوئی بھی فرد جہاں

تک ممکن ہو غیر شادی شدہ نہ رہے، تاکہ وہ جنسی تسکین کیلئے کوئی غیر شرعی وحرام وناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور نہ ہو، وہ سرپرستوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے زیردستوں کے نکاح کا اہتمام کریں۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ . (سورۃ النور 32) تم میں سے جو مرد وعورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کردو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا، اللہ کشادگی اور علم والا ہے۔

محترم قارئین!

اسلام دین فطرت اور راہ اعتدال ہے۔ اس نے جنسی خواہش کے وجود کا اقرار کیا ہے لیکن جنسی بے راہ روی کے بارے میں یہ نہ ابیقوریہ (ابیقوریہ اس فلسفہ کی طرف نسبت ہے، جسے ابیقوریہ نے 343ء میں وضع کیا تھا، جو صرف لذت ہی کو اخلاق اور انسان کی غایت کی بنیاد قرار دیتا ہے اور نہ اس رواقی (رواقی اس فلسفہ کی طرف نسبت ہے، جسے زینو قبرصی نے 342ء میں ایجاد کیا تھا، جو شہوت کو محض ایک شر قرار دیتے ہوئے، اسے ختم کردینے کو واجب قرار دیتا ہے) بلکہ اس نے جنسی فطرت کو ازدواجی زندگی کے ساتھ مربوط کردیا ہے، اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا، تو اس سے اس کی بیوی کو بھی پیدا فرمادیا تاکہ یہ اس سے سکون حاصل کرسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً . اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی۔)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مرد کا عورت سے پہلا فائدہ اُٹھانا یہ ہے کہ وہ اس سے مل کر جوش قوت سے سکون حاصل کرتا ہے۔ آلۂ تناسل جب برانگیختہ ہوتا ہے، تو پشت کا پانی جوش کے ساتھ اس کی طرف رُخ کرلیتا ہے، تو اس موقعہ پر مرد عورت سے سکون حاصل کرتا اور جوش و برانگیختگی سے خلاصی حاصل کرلیتا ہے۔ (بحوالہ الجامع لأحكام القرآن للقرطبي :14/117، ت،أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، دار الكتب المصرية، القاهرة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے: وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً .اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی) کی تفسیر میں کہا ہے کہ مودّت سے مراد جماع اور رحمت سے مراد اولاد ہے۔ (بحوالہ تفسیر القرطبی ج14 ص17)

گویا شادی اسلام کی نگاہ میں جنسی خواہش کی تکمیل کی طرف راہنمائی ہے کیونکہ یہ مسلمان کے لئے بدکاری میں مبتلا ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، ہمارے پاس کچھ نہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے گروہ جوانان! تم میں سے جس کو

اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت ہو تو وہ شادی کرلے، اس سے نظر نیچے رہتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے، اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزے رکھے، یہ اس کے لیے قاطع شہوت ہے۔

(ماخوذ از فتح الباری شرح صحیح البخاری 9/108)

شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ اس حدیث (یا معشر الشبـاب من استطاع منكم الباء ة فليتزوج) کی شرح میں نکاح کی مشروعیت کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خوب جان لو جب جسم میں منی زیادہ پیدا ہو جائے، تو اس کے بخارات دماغ کی طرف اُٹھنے لگتے ہیں، اسے خوب صورت عورت کی طرف دیکھنا اچھا لگتا ہے، اس کا دل اس کی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے، اس کا ایک حصہ شرم گاہ کی طرف اتر آتا ہے، جس کی وجہ سے شہوت پیدا ہوتی اور قوت شہوتِ جماع شدید ہو جاتی ہے، یہ صورتِ حال اکثر عہدِ شباب یعنی جوانی کے زمانے میں ہوتی ہے، یہ طبعی حجابات میں سے ایک بہت بڑا حجاب ہے، جو نیکی میں رغبت سے روکتا اور زنا کے لیے برانگیختہ کرتا ہے، انسان کے اخلاق کو خراب کر دیتا اور اسے باہمی فساد کی بہت بڑی ہلاکتوں میں مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا اس حجاب کو دور کرنا واجب ٹھہرا، پس جسے جماع کی استطاعت و قدرت ہو، اس کے لیے شادی سے بہتر اور کوئی صورت نہیں کیونکہ شادی کرنے سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ منی کے کثرت سے بہائے جانے کا سبب ہے۔

(بحوالہ، حـجـة اللّٰـه البـالـغة لـلشـاه ولـی اللـه الدهلوی، 2/189، ت، السید سابق، دار الجیل بیروت)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب روضۃ المحبین ونزہۃ المشتاقین میں ذکر کیا ہے کہ

وقـال المروزی: قال أبو عبد الله -يعنى أحـمـد بـن حـنبل -ليـس الـعـزوبة من أمـر الإسـلام فـى شىء، النبى صلى الله عليه وسلم تـزوج أربـع عشـرة ومات عن تسع، ولو تزوج بشـر بـن الـحـارث لتـم أمـره، ولو ترك الناس الـنـكـاح لـم يكن غزو ولا حج ولا كذا ولا كذا. وقـد كان النبى يصبح وما عندهم شىء، ومات عـن تسع، وكـان يـخـتـار النكاح ويحث عليه، ونهـى عـن التبتـل، فـمـن رغـب عـن سـنة النبى ﷺ فهـو عـلـى غيـر الحق، ويعقوب فى حـزنــه قـد تـزوج وولـد لـه، والنبى ﷺ قال: حُبـب إلـى الـنسـاء. قـلـت له: فإن إبراهيم بن أدهـم يـحـكـى عـنــه أنـه قال: لروعة صاحب الـعيـال فما قدرت أن أتم الحديث حتى صباح بى، وقال: وقعت فى بنيات الطريق. انظر ما كـان عـلـيه محمد ﷺ وأصحابه، ثم قال: بكاء الـصبى بين يدى أبيه يطلب منه الخبز أفضل مـن كـذا وكذا. أيـن يـلـحـق الـمـتـعـبد العزب؟ انتهى كلامه

امام مرّوزی نے کہا کہ ابوعبداللہ یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بے زوج زندگی (بغیر شادی والی زندگی) کا اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ خواتین سے شادی کی، جب آپ کی

وفات ہوئی، تو نو بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں تھیں، اگر بشر بن حارث شادی کرلیتا تو اس کا معاملہ مکمل ہوجاتا، لوگوں نے نکاح کرنا چھوڑ دیا ہے، تو ان کا نہ جہاد ہے، نہ حج اور نہ کوئی اور عمل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں صبح کرتے کہ آپ کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی، اس کے باوجود آپ نے جب انتقال فرمایا تو آپ کے گھر میں نو بیویاں تھیں، آپ نکاح کو پسند فرماتے، اس کی ترغیب دیتے اور تجرد کی زندگی سے منع فرماتے تھے، تو جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کرے، وہ حق پر نہیں ہے، یعقوب علیہ السلام نے حزن وغم کے دور میں بھی شادی کی اور آپ کے ہاں اولاد بھی ہوئی، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے عورتوں سے محبت ہے۔امام مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ (امام احمد رحمہ اللہ) کی خدمت میں عرض کیا کہ ابراہیم بن ادہم کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے روعہ سے کہا جس کے بہت بچے تھے میں نے ابھی تک اپنی بات مکمل نہیں کی تھی کہ امام احمد رحمہ اللہ نے بلند آواز سے فرمایا کہ تم چھوٹے چھوٹے راستوں پر چل پڑے ہو، یہ دیکھو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل کیا تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ بچے کا اپنے باپ کے سامنے روٹی طلب کرنے کے لیے رونا فلاں فلاں عمل سے افضل ہے، بے زوج عابد اس مقام تک کہاں پہنچ سکتا ہے۔؟

(بحوالہ روضة المحبين ونزهة المشتاقين لابن قيم الجوزية، صفحہ نمبر 193، وذم الهوى لابن الجوزي صفحہ نمبر 282)

صحیح البخاری کی ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کی شادی کرادی جسکے پاس لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں تھی، بس ایک چادر کا مالک تھا۔

رواه البخاري، باب القراءة عن ظهر القلب، 5030، علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے "من دعاك إلى غير التزويج، فقد دعاك إلى غير الإسلام .

(بحوالۃ، المغنی لابن قدامۃ 9/341، ت، الترکی، دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، الریاض)

یعنی جو شخص تمہیں شادی نہ کرنے کی طرف دعوت دے، اس نے گویا غیر اسلام کی طرف تمھیں دعوت دی ہے،

جنس کے تعلق سے مختلف رویے:

ہر کس وناکس بنیادی طور پر تین طرح کی خواہشات رکھتا ہے، کھانے کی خواہش، پینے کی خواہش اور جنس (sex) کی خواہش، کوئی بھی انسان ہو چاہے وہ دہریہ ہو، علمانیہ، وجودیہ، وضعیہ، شیوعیہ، دارونیہ، سمنیہ، یا طبائعون، یا سکولر یا اس کا کسی مذہب سے تعلق ہو بحیثیت انسان اس کے اندر ان فطری خواہشات کا پایا جانا لازمی ہے، جنس کے تعلق سے مختلف رویئے اختیار کئے گئے ہیں، کچھ لوگوں نے جنسی خواہش کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کی ہے، انھوں نے یہ تصور پیش کیا کہ جنسی خواہش کو دبا کر ہی انسان کی نجات ممکن ہے، تبھی اسے نروان حاصل ہوسکتا ہے اور وہ کامیابی کے مدارج طے کرسکتا ہے، یہ تصور عیسائیت میں راہبوں اور ہندومت میں جوگیوں کے یہاں ملتا ہے، چنانچہ انھوں نے جنسی تعلق کو ایک قابل نفرت چیز سمجھا اور شادی بیاہ کے

بکھیڑوں میں پڑنے سے گریز کیا، انھوں نے جنگلوں اور بیابانوں کی راہ لی، اور وہاں کٹیا بنا کر تنہائی کی زندگی گزارنے لگے، اسی طرح ان مذاھب میں ان لوگوں کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا گیا جو غیر شادی شدہ رہتے ہوئے پوری زندگی گزار دیں، چنانچہ ان کو چرچوں اور مندروں میں اعلیٰ مناصب سے نوازا گیا، لیکن انسانی فطرت کو دبا کر اور اس سے جنگ کر کے زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ چرچ سے وابستہ پادری اور مندروں کے پجاری بارہا بدکاری میں ملوث پائے گئے ہیں، ابھی کچھ سال قبل اس طرح کے واقعات خود ہندوستان میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں، اسطرح کے شرمناک حادثات ہو رہے ہیں، اور آئے دن اخبار کی سرخیوں میں اس طرح کی گندی حرکتوں کی خبریں ملتی رہتی ہیں، ،جن سے ان کے ان پاکیزہ مراکز کی پامالی ہوئی ہے، اس کے بالمقابل کچھ لوگوں نے جنس کے معاملے میں ہر طرح کی آزادی وحریت اپنا جسم اپنی مرضی، کی وکالت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے اسکو یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کر لے، خواہ اس کے لئے وہ کتنا ہی گھناؤنا وغیر فطری طریقہ کیوں نہ اختیار کرے، چنانچہ جنس کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا اور مرد کو مرد کے ذریعہ اور عورت کو عورت کے ذریعہ جنسی تسکین حاصل کرنے کا حق دیا گیا جن لوگوں نے یہ غیر فطری طریقہ نہیں اختیار کیا، انھوں نے بھی نکاح کرنے اور خاندان تشکیل دینے کو فرسودہ قرار دیا، اور بہتری اس میں سمجھی کہ کوئی مرد اور عورت جب تک چاہیں ساتھ رہیں، اور جب چاہے الگ ہو کر اپنی اپنی راہ لیں، کھلی چھوٹ دی گئی کہ وہ باہم رضامندی سے جب چاہیں جنسی تعلق قائم کر لیں، صرف زور زبردستی کو قانوناً جرم قرار دیا گیا، یہ تصور پیش کیا گیا کہ ہر انسان اپنے جسم کا مالک ہے وہ اپنے جس عضوء کو چاہے چھپائے اور جسکو چاہے کھلا رکھے، اسی طرح اسکو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے اعضاء جسم سے جیسا چاہے کام لے، چنانچہ عورتوں کے رحم uterus کرائے پر ملنے لگے کہ کوئی بھی مرد اس میں اپنا نطفہ داخل کروا کے بچہ حاصل کر سکتا ہے، اسی طرح مرد کے نطفے sperm کی بھی تجارت ہونے لگی اور اس کے بینک قائم ہو گئے، ان چیزوں نے بہت بڑی انڈسٹری کی صورت اختیار کر لی، جسمیں کروڑوں اربوں روپئے کا سرمایہ لگا ہوا ہے، اس بے مہار آزادی نے انسانی سماج کو جانوروں کے باڑوں میں تبدیل کر دیا، اور عفت وحیاء وتمدن کا تیاپانچہ کر کے رکھ دیا، لہٰذا اب ضروری ہو گیا ہے کہ فحش وبدکاری کی راہ کو بند کرنے کیلئے نکاح کو آسان بنایا جائے، شادی کی عمر ہوتے ہی ہاتھ پیلا کر دیا جائے، تاکہ نوجوان زنا وبدکاری میں مبتلا نہ ہو۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے، دوماہی نقوش طیبات نومبر دسمبر 2021ء صفحہ نمبر 16 تا 17)

(جاری)

ٹھنڈی تھی جس کی چھاؤں وہ دیوار گرگئی

(داداجان کی یاد میں)

طارق اسعد/جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

میں نے اس سے پہلے موت کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا تھا،عشاء کی نماز کا وقت ہو چلا ہے اور دادا جان -مولانا محمد اعظمی- اپنے آخری سفر کے لیے آخری سانسیں گن رہے ہیں، پندرہ روز سے اوپر ہو چکے ہیں جب آپ ہوش وحواس سے بیگانہ ہیں،کبھی کبھار آنکھیں کھول رہے ہیں، اردگرد نظر دوڑا رہے ہیں، آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو اجنبیت سے دیکھ رہے ہیں، آنکھوں میں شناسائی کی کوئی رمق نہیں نظر آرہی ہے، پھر آنکھیں موند لے رہے ہیں، ایسی تکلیف سے گذر رہے ہیں کہ ہم سے دیکھا نہیں جاتا، کھانا پینا تقریباً بند ہو چکا ہے، جسم کی ساری طاقت زائل ہوگئی ہے،کبھی کبھی کراہ رہے ہیں اور بلند آواز سے ''اللہ''''یا اللہ'' پکار رہے ہیں۔

وہ جن کے ذکر سے رگوں میں دوڑتی تھیں بجلیاں\
انہیں کا ہاتھ ہم نے چھو کے دیکھا کتنا سرد ہے

میں 20 جون کو بوقت عشا مدینہ منورہ سے اپنے گھر پہنچا، فریش ہوکر سب سے پہلے دادا کے پاس حاضر ہوا، دیکھتے ہی دھچکا سا لگا، یہ وہ دادا تو نہیں تھے جنہیں ایک سال قبل ہم چھوڑ کر گئے تھے،قوی مضمحل، جسم کمزور، یادداشت غائب، سلام عرض کرتے ہوئے تعارف کرایا ''دادا! آپ نے ہمیں پہچانا؟'' ایک مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور کہا کہ ''ہاں، پہچانتا ہوں'' پھر انہوں نے ایک اجنبی کے نام سے مجھے پکارا، میں سمجھ گیا کہ شناسائی کا رشتہ ختم ہوگیا ہے، اب حالت یوں تھی کہ کسی کسی کو پہچانتے اور بیشتر لوگوں کو اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے، لیکن اس وقت کچھ نہ کچھ باتیں کرتے تھے، سلام کا جواب دیتے، کوشش کر کے خود سے اٹھتے بیٹھتے، بہت معمولی سی خوراک تناول کرتے، مگر رفتہ رفتہ ان معمولات میں کمی آتی گئی، دانہ پانی کم سے کم ہوتا گیا اور پھر بالکل موقوف ہوگیا، یہاں تک کہ ہوش بالکل نہ رہا، زندہ رہنے کے سارے اسباب دھیرے دھیرے ختم ہونے لگے، 11 جولائی کو عشاء کی اذان سے دس منٹ قبل جسم بالکل ساکت ہوگیا، تمام حرکتیں موقوف ہو گئیں، ہم لوگ نماز کے لیے مسجد گئے مگر ذہن برابر ادھر ہی لگا ہوا تھا، نماز کے معاً بعد گھر آیا تو دیکھا کہ حالت بدستور ویسی ہی ہے، بلکہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ سانس لینے کا وقفہ بھی زیادہ ہوتا جا رہا ہے، معمول سے زیادہ دیر پر سانس لے رہے ہیں، اسی اثنا میں دیگر لوگ بھی نماز سے فارغ ہوکر پہنچ گئے، ہمارے چچا ڈاکٹر اجود انصاری نے اسٹیتھو اسکوپ نکالا، نبض چیک کی، سانس کا جائزہ لیا اور نمدیدہ وغمناک آنکھوں سے نفی میں گردن ہلا دی، آہ دادا جان نہیں رہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نشان مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید، تبسم بر لب اوست

مرحوم نے حیات مستعار کی کل زائد از 9 دہائیاں دیکھیں، ان نو دہائیوں میں میری آپ کے ساتھ کم وبیش تیس سالہ معیت رہی، 2003 میں والد محترم کی تقرری جامعہ سلفیہ بنارس میں ہوئی تو ہم لوگ بنارس منتقل ہو گئے اور یہیں پر میرا اور چھوٹے بھائی بہنوں کا تعلیمی سفر دراز ہوا، بنارس میں مع اہل خانہ سکونت کے باوجود دیگر طلبہ کی طرح مجھے بھی چھٹیوں میں گھر جانے اور اعزہ واقارب سے ملنے کی بڑی شدید خواہش رہتی تھی، چنانچہ تعطیل شروع ہوتے ہی فوراً ہم لوگ اپنے آبائی گھر دادا کے پاس پہنچ جاتے اور وہیں قیام کرتے، ادھر دادا جان بھی بڑی شدت سے ہماری آمد کے منتظر رہتے اور ہمارے پہنچنے پر خوش ہو جاتے۔ آپ اکثر یہ کہتے کہ تم لوگوں کی آمد سے گھر میں رونق ہو جاتی ہے، یوں سمجھئے کہ

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے دادا کا جو حلیہ دیکھا وہ کچھ یوں تھا، میانہ قد، دبلا بدن، گول چہرہ، کشادہ پیشانی، لمبی ستواں ناک، گھنی سفید داڑھی، چہرے پر عینک جو عموماً پڑھتے لکھتے یا باہر جاتے ہوئے لگاتے، سفید بغیر کالر کا کرتا اور سفید، اجلی لنگی، گھر سے باہر نکلتے وقت سر پر لمبی یا گول ٹوپی رکھتے، جاڑے میں جیکٹ، شال اور مفلر کا اضافہ کر لیا کرتے تھے، عیدین کے موقع پر یا شہر سے باہر جاتے تو کرتا پاجامہ زیب تن کرتے، بات کرتے تو آواز مدھم، لہجہ پست، اور ٹھہر ٹھہر کر بولتے، گاہے تبسم فرماتے، گاہے زور سے ہنس دیتے، خاکساری ان کا شیوہ اور ملنساری ان کی صفت تھی، جس سے بھی ملتے بڑے تپاک سے ملتے اور سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، طبیعت میں سادگی، میانہ روی اور خلوص خوب خوب تھا۔

ہمارے گھر سے پچھّم طرف بالکل سامنے ہی مسجد ہے، بلکہ یوں کہیے کہ گھر اور مسجد کے درمیان فقط ایک پتلی سی گلی ہے، میں نے بچپن سے دیکھا کہ آپ اسی مسجد میں پنج وقتہ نماز کی امامت کرتے ہیں، بلکہ ذہن پر زور ڈالتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ بڑے دادا جناب مولانا عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ مغرب کی نماز پڑھاتے تھے، بعد میں پیرانہ سالی اور کمزوری کے باعث بڑے دادا نے امامت ترک کر دی، اب دادا باقاعدہ طور پر پانچ وقت کے امام اور بعد میں متولی بھی بنے، دادا جب تک امام رہے کبھی امامت کا ناغہ نہیں ہوا اور نہ ہی مسبوق ہوئے، الا یہ کہ شہر سے باہر گئے ہوں (یا کوئی شرعی عذر درپیش ہو)، آپ کا معمول تھا کہ اذان کی آواز سنتے ہی تمام کام چھوڑ کر اٹھ جاتے، وضو بناتے اور مسجد چل پڑتے، فجر کی سنت عموماً گھر ہی پر ادا کرتے (کما ورد فی السنۃ) اور دیگر نمازوں کی قبلی وبعدی سنتیں مسجد میں پڑھتے، آپ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے کمرے میں جاتے اور دادا اور دادی دونوں تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے، تلاوت سے فراغت کے بعد اپنے چھوٹے موٹے کام خود کرتے، بلکہ اس معاملے میں آپ بہت حساس تھے، اپنا کوئی بھی چھوٹا بڑا کام اپنے ہاتھوں سے کرتے اور کسی کو اجازت نہیں تھی کہ ان کے روزمرہ کے کاموں میں ان کا

ہاتھ بٹائے، زندگی بھر یہی آپ کا معمول رہا تا آنکہ قوی کمزور ہو گئے اور طاقت وقوت کم سے کم ہوتی چلی گئی تب بادل نخواستہ دوسروں سے کام لیتے۔ روز مرہ کے کاموں سے فراغت کے بعد پڑھنے لکھنے میں مشغول ہو جاتے، گھر میں داخل ہوتے ہی بالکل سامنے ایک بستر لگا ہوا رہتا ہے، اسی کو آپ نے اپنے اٹھنے بیٹھنے اور پڑھنے لکھنے کے لیے وقف کر رکھا تھا اور وہیں سے باہر سے آنے والے مہمانوں اور ملاقاتیوں کی آمد پر اٹھ کر جاتے اور بیٹھک میں ان سے ملاقات کرتے، ان کے لیے از خود ناشتہ پانی اور ضیافت کا اہتمام کرتے، پھر ظہر کی اذان تک یہی معمول رہتا، ظہر سے فراغت کے بعد کھانا کھاتے اور پھر قیلولہ کے لیے لیٹ جاتے، عصر کے بعد جب دھوپ کی شدت کم ہو جاتی اور مغرب میں قریب ایک گھنٹہ باقی رہتا تو گھر سے تھوڑی دور پر واقع مرزاہادی پورہ چوک تک پیدل جاتے اور وہاں سے سبزیاں اور سودا سلف لیتے، چوک ہی پر آپ کے ایک دوست جناب شکر اللہ صاحب کی دکان تھی وہاں کچھ دیر بیٹھتے یا پھر اس سے متصل حکیم مصباح الرحمان صاحب کے مطب پر براجمان ہوتے، مغرب سے ذرا قبل گھر واپس آتے اور اذان سے پہلے ہی وضو کر لیتے تاکہ مغرب سے قبل دو رکعت سنت ادا کر سکیں، مغرب اور عشا کے درمیان کبھی تو پڑھنے لکھنے کا کام کرتے، یا کبھی کسی کو اپنے پاس بلا کر اس سے باتیں کرتے، زیادہ تر چھوٹے چچا اسجد انصاری سے دیر تک گفتگو کرتے، پھر عشا بعد ہلکا پھلکا کھانا تناول کر کے دیر تک آنگن میں چہل قدمی کرتے اور اس کے بعد مطالعہ میں محو ہو جاتے، ان گنہگار آنکھوں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے دادا کے مرض الموت سے قبل تک دیکھا کہ کبھی آپ نے تہجد کی نماز نہیں ترک کی۔ کڑاکے کی سردی ہو یا تپا دینے والی گرمی، ہر موسم اور ہر حالت میں آپ اس سنت پر سختی اور پابندی سے تاحیات عمل پیرا رہے۔

نماز کے معاملے میں آپ بہت زیادہ حساس تھے، سنن، نوافل، وتر وغیرہ کا خود بھی اہتمام کرتے اور ہمیشہ ہم سب کو بھی تلقین کرتے اور محاسبہ بھی کرتے، ایک مرتبہ دریافت کیا کہ فجر کی سنت پڑھتے ہو؟ پھر کہنے لگے کہ مدرسہ میں پڑھنے والے عموماً سنت فجر سے غفلت برتتے ہیں، ایک بار میں اور عزیزی یاسر اسعد کسی سفر سے واپس آئے، اگلے دن اپنے پاس بلایا اور اثنائے سفر نماز ادا کرنے کے متعلق استفسار کیا، جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا کہ آپ ایک لمبے عرصے تک گھر کے سامنے مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور نماز تو کجا امامت میں بھی کبھی کسی قسم کا تساہل نہیں برتا، غالباً 2004 میں بنارس میں آپ کی آنکھ کا آپریشن ہوا، اس دوران آپ نے دو لوگوں کو امامت کے لیے عارضی طور پر مامور کیا، صحت یابی کے بعد آپ نے پھر سے نماز پڑھانا شروع کیا، البتہ فجر اور عشا کی امامت محلے کے ایک عالم مولانا شاہد کلیم مدنی رحمہ اللہ کے سپرد کر دی، اور پھر جب دادا کی صحت گرتی گئی، آواز ہلکی ہوتی گئی اور کمزوری نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کیے تو آپ نے امامت سے کلیتاً استعفیٰ دے دیا اور مولوی شاہد کلیم مرحوم نماز پڑھانے لگے، البتہ کبھی کبھار امام کی عدم موجودگی میں خود پڑھاتے، اس کے بعد جب کمزوری بڑھتی گئی تو مجبوراً گھر

میں نماز پڑھنے لگے، لیکن آپ کو ہمیشہ اس بات کا افسوس رہتا کہ آپ مسجد میں اب نماز نہیں ادا کر پا رہے ہیں۔

دادا کی پوری زندگی تعلیم وتعلم، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور خطابت وتقریر میں گذری، اپنی زندگی جسے علم وعمل اور دعوت وتبلغ سے بھرپور کہا جا سکتا ہے، میں نے آپ کو پڑھاتے نہیں دیکھا کیوں کہ آپ عرصہ ہوا تدریس سے سبکدوش ہو چکے تھے، لیکن اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک جامعہ عالیہ عربیہ میں اعزازی طور پر پڑھایا، جب میں پرائمری کا طالب علم تھا تو کبھی کبھار دیکھتا کہ آپ مدرسے میں موجود ہیں، اور بسا اوقات کلاس روم میں ملنے بھی آتے اور اپنے ساتھ کچھ کھانے پینے کے سامان بھی لاتے۔ایک طفل مکتب کی خوشی کا اندازہ لگایئے کہ جب اس کے دادا اس کی درس گاہ میں آتے ہیں اور اسے تحفہ دیتے ہیں اور حال چال پوچھتے ہیں تو اس کا سینہ فخر سے چوڑا ہو جاتا ہے۔

دادا کے شاگردوں کی تعداد بلاشبہ ہزاروں میں ہے کیوں کہ آپ نے کم وبیش نصف صدی تک تدریس کی ہے،شہر مئو کے اکثر کبار علماء کو آپ سے نسبت تلمذ ہے، کتنے شاگرد ہیں جو گذر گئے اور بہتیرے مرحوم کی شمع علم سے جلا پا کر چہار سو روشنی پھیلانے میں مشغول ومصروف ہیں، سیکڑوں متلاشیان سند عالی نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور حدیث کا اجازہ حاصل کیا۔عرب دنیا کو جب آپ کے علو سند کے متعلق خبر ہوئی تو ہاتھوں ہاتھ لیا، متعدد مرتبہ سعودی عرب، قطر اور کویت میں آپ کو دعوت دی گئی اور مجلس سماع واجازہ سجائی گئی، نیز ملک وبیرون ملک سے بکثرت طلبہ وعلما گھر تشریف لاتے اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے، اطراف حدیث کی قراءت کرتے اور سند اجازہ حاصل کرتے، ہم نے اس وقت یہ بھی دیکھا تھا کہ ایک لمبے عرصے تک بذریعہ فون بھی کئی طلبہ مسلسل حدیث سناتے اور آپ سے پڑھتے، یہ سلسلہ تقریباً آخر عمر تک جاری رہا، البتہ جب کمزوری زیادہ ہوگئی، یادداشت خطا کرنے لگی اور پڑھنے لکھنے کا کام کم سے کم ہوتا چلا گیا تو آپ نے مجبوراً یہ سلسلہ بند کر دیا اور متلاشیان علم سے معذرت کر لی۔کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ ہم بھائی بہنوں کو کسی حدیث کی تخریج کا حکم دیتے، فلاں مصدر یا مرجع طلب کرتے، کوئی حوالہ تلاش کرنے کا مکلّف کرتے، چوں کہ آپ کا قیام دور ارضی پر تھا اور اوپر پہلی منزل پر ایک کمرہ بطور لائبریری بنایا گیا تھا، چنانچہ جب آپ کو کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو ہم لوگوں کو بھیج کر وہ کتاب منگواتے اور پھر واپس رکھواتے، چھٹیوں میں یا عید سے قبل تمام کتابوں، مجلّات وجرائد اور دیگر مراجع ومصادر کی صفائی کا حکم دیتے اور انہیں از سر نو مرتب کرتے۔

اللہ کے فضل سے آپ نے ایک طویل عمر پائی اور اس میں بڑی برکت بھی ملی، اللہ تعالی نے آپ کو علم کے ساتھ ساتھ اولاد میں بھی برکت سے نوازا، چنانچہ آپ کے کل چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں، جن سے 21 پوتے پوتیاں، 24 نواسے نواسیاں ہیں، علاوہ ازیں بہت سارے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں (جن کی تعداد فی الحال 24 ہے) گویا آپ کے کل اولاد، احفاد مع اولاد احفاد (81)افراد ہیں۔آپ کے

سب سے بڑے صاحبزادے اور میرے بڑے والد جناب احمد انصاری سول انجینئر ہیں، پھر والد محترم مولانا اسعد اعظمی اور ان کے بعد دو جڑواں چچا ارشد اعظمی و امجد اعظمی ہیں جو حافظ قرآن ہیں، ان سے چھوٹے چچا ڈاکٹر اجود انصاری جو مدرسہ عالیہ عربیہ سے فارغ التحصیل اور بروقت میڈیکل آفیسر ہیں، سب سے چھوٹے چچا اسجد کمال (بی ایس سی) تجارت سے وابستہ ہیں، دو پھوپھیاں معلّمہ ہیں، محترمہ نیرہ خاتون مدرسہ عالیہ عربیہ کے شعبۂ نسواں میں ٹیچر ہیں اور سب سے چھوٹی پھوپھی گلشاد یاسمین کلیۃ فاطمۃ الزہراء میں پرنسپل کے عہدے پر ہیں، احفاد میں آپ کے نواسے نواسیاں بھی تعلیم وتعلم سے منسلک ہیں، جن میں مولوی فوزان انصاری (مدرس جامعہ عالیہ عربیہ مئو) مولانا وڈاکٹر کاشف جمال (مدرس عالیہ عربیہ مئو) مولانا وڈاکٹر فرحان انصاری (مترجم کویت ایمبیسی) مولانا و ڈاکٹر ریحان انصاری (متعلم جواہر لال نہرو یونیورسٹی) برادران شاہد کمال وعادل ضیاء بھی تدریس سے منسلک ہیں، پوتوں میں یہ خاکسار جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں ماجستیر کا طالب علم ہے، برادر خورد یاسر اسعد جامعۃ الملک سعود میں بی اے کے مرحلے میں ہیں، جب کہ چچازاد بھائی عزیزی حماد انصاری جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد طائف یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں، تین چچازاد بھائی عزیزان عبد الرحمٰن وشیبان وشاداب انصاری جامعہ عالیہ عربیہ میں شعبہ عربی کے طالب علم ہیں۔ علاوہ ازیں پوتیاں اور نواسیاں بھی سب زیور تعلیم سے آراستہ ہیں اور اسی راستے سے جڑی ہوئی ہیں۔ کل ملا کر کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے پیچھے تعلیم یافتہ اولاد کی شکل میں ایسے وارثین چھوڑے ہیں جو ''ولد صالح یدعو لہ'' کے ساتھ ''علم ینتفع بہ'' کے بھی مصداق ہیں۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں
فیضان محبت عام سہی عرفان محبت عام نہیں

دادا کے پاس یادوں اور تجربات کا ذخیرہ تھا، انہوں نے اپنی تعلیمی وتدریسی زندگی میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا اور مختلف مدارس ومعاہد سے کسب فیض کیا اور جگہ جگہ علم کے موتی بھی لٹائے، مئو میں مدرسہ فیض عام اور مسلم انٹر کالج کے علاوہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، جامعہ دارالسلام عمرآباد میں بھی چند ماہ علمی تشنگی بجھائی، اول الذکر ادارے میں جب زیر تعلیم تھے تو اسی وقت آزادی وتقسیم ہند کا واقعہ پیش آیا جس کے سبب یہ عظیم الشان درسگاہ مرحوم ہوگئی اور آپ کو بھی واپس ہونا پڑا، جب کہ آخر الذکر مدرسے کی آب وہوا راس نہ آنے کے سبب اس ادارے کو بھی خیرباد کہا، دہلی میں قیام کے دوران آپ نے مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہر لعل نہرو سمیت کئی لیڈروں کو دیکھا، مئو میں کسی مناسبت سے مولانا محمد اسماعیل سلفی گجرانوالہ کی آمد ہوئی تھی اور ان کی تقریر سماعت کی تھی، ایک مرتبہ کسی جلسے کی مناسبت سے مئو آئمہ الہ آباد مع اپنے والد (مولانا عبدالعلی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ) گئے جہاں پر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے شرف ملاقات حاصل ہوا، مئو میں 1927 میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ہوئی جس میں وقت کے اکابر علماء نے شرکت کی تھی، دادا (غالبًا اپنے والد مرحوم کے حوالے سے) روایت کرتے ہیں کہ اس وقت علما کو ٹرین سے رہائش

گاہ تک لے جانے کے لئے لوگ پیش پیش تھے جن میں خاکسار کے پرنانا جناب حاجی محمد یاسین رحمہ اللہ (والد ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری مرحوم) اور مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے والدگرامی خود اپنے ہاتھوں سے تانگہ کھینچ کر علماء کو منزل تک پہنچانے کے فرائض انجام دے رہے تھے، مذکورہ کانفرنس کا ایک دلچسپ واقعہ سیرت ثنائی میں مذکور ہے کہ ''آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس'' کے اجلاس منعقدہ مئوناتھ بھنجن کے موقع پر منتظمین نے یہ انصرام کیا کہ جن علماء ومقررین کوجلسہ پر مدعو کیا گیا ان کے لیے حسب پسند سواریاں فراہم کردی گئیں جو صاحب جس قسم کی سواری پسند کرتے ان کو وہی مہیا کی جاتی۔ اس جلسے پر حضرت مولانا ثناء اللہ اور حضرت مولانا محمد دہلوی مرحوم بھی تشریف لے گئے، جب یہ دونوں حضرات گاڑی سے اترے تو دونوں سے اسٹیشن پر دریافت کیا گیا کہ انہیں کون سی سواری مرغوب ہے۔ مولانا ابوالوفاء نے پالکی پسند فرمائی اور مولانا محمد نے ہاتھی کی سواری، جب یہ دونوں حضرات اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھ کر روانہ ہوئے تو مولانا محمد نے مہاوت سے کہا: ''مولانا ابوالوفاء پالکی میں بیٹھ کر آگے نکل گئے ہیں۔ تم ہاتھی کو ذرا تیز بھگاؤ اوران کی پالکی سے آگے نکل جاؤ'' مہاوت نے حکم کی تعمیل کی، جب ہاتھی مولانا ثناء اللہ کی پالکی کے قریب سے گذرا، تو مولانا محمد نے بلند آواز سے کہا: '' ورفعنا لك ذكرك '' مولانا ابوالوفا نے فوراً جواب دیا ''الم تَرَكَيفَ فَعَلَ رَبُّكَ بأصحاب الفيل'' (سیرت ثنائی: 162-163)

دادا مرحوم کی یہ عادت تھی کہ وہ زیادہ تر تعلیم وتعلم اور مطالعہ وکتاب خوانی کے متعلق گفتگو کرتے، اپنی اولاد واحفاد کی تعلیمی سرگرمیوں کے متعلق باخبر رہنا، تعلیمی زندگی میں ان کی مشکلات کو سننا اوران کا مناسب حل پیش کرنا، کامیابی پر خوشی کا اظہار کرنا اور حوصلہ افزائی کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، یاد ش بخیر جب میں نے حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد پہلی مرتبہ مکمل تراویح کی نماز پڑھائی تو اس وقت دادا بہت خوش ہوئے، وہ عید کا دن تھا جب ہمارے ایک رشتے دار (جناب اعجاز یونائیٹڈ مرحوم) دادا سے ملنے گھر آئے، میں ان کی ضیافت کے لیے ناشتہ لے کر کمرے میں گیا، مہمان نے مجھے ایک نظر دیکھا اور دادا سے پوچھا کہ ''ماموں! کیا یہی لڑکا ہے جس نے اس بار تراویح پڑھائی ہے؟'' میں یہ سن کر چونک گیا، مگر رکا نہیں اور ناشتہ رکھ کر کمرے سے باہر نکل گیا اور دروازے کی آڑ میں چھپ گیا، مجھے یہ سننا تھا کہ آخر میری تراویح خوانی کے متعلق کیا بات ہورہی ہے، دادا نے مہمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''ہاں، یہی ہے جس نے تراویح پڑھائی ہے، اس لڑکے نے جب پڑھانا شروع کیا تھا تو مجھے امید نہیں تھی کہ پورے رمضان تراویح پڑھا لے جائے گا، مگر اس نے ایسے بہترین انداز میں پڑھایا کہ میں حیران رہ گیا'' میں کمرے کے باہر کان لگا کر ان کی باتیں سن رہا تھا اور پھولے نہیں سمارہا تھا، دراصل اس وقت میری عمر 12 سال تھی اور دادا کو نہیں لگتا تھا کہ میں اس کم عمری میں تراویح کی امامت کا متحمل ہوسکتا تھا، مگر جب میں نے مکمل تراویح پڑھا دی تو بہت خوش ہوئے اور خوب شاباشی دی۔

جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد میں نے آپ

سے مستقبل کے بارے میں دریافت کیا کہ آگے کیا کرنا چاہیے، اس وقت ابھی جامعہ اسلامیہ میں داخلہ نہیں ہوا تھا، میں اپنے مستقبل کے تئیں فکرمند تھا کہ آیا تعلیمی سلسلہ جاری رکھوں یا پھر تدریس سے جڑ جاؤں، مگر تدریس سے منسلک ہونے پر میں نے عرض کیا کہ میرے پاس ابھی کوئی تجربہ بھی نہیں ہے، نیا نیا فارغ ہوا ہوں اور علمی اعتبار سے خود کو تدریس کے لیے نا اہل سمجھتا ہوں، اس پر دادا نے بڑی خوبصورت بات کہی، فرمایا کہ ”میں بھی جب فارغ ہوا تھا تو کچھ خاص علمی استعداد وصلاحیت نہیں تھی، بلکہ اس وقت تعلیم کا معیار بھی کافی کمتر تھا، کسی کسی سال تو پوری ایک کلاس کی تعلیم بھی نہیں ہوا کرتی تھی، مدرسین اور طلبہ دونوں کا فقدان تھا، علاوہ ازیں گھریلو ذمہ داریاں اور مشقت الگ سے رہتی تھیں، بس یوں سمجھو کہ پڑھائی تو برائے نام ہوئی ہے،“ میں نے پوچھا کہ پھر آپ کی تدریسی صلاحیتیں کہاں سے صیقل ہوئیں، فرمایا کہ ”تدریس ہی سے چراغ سے چراغ جلا، جب پڑھانا شروع کیا، تو اسی وقت خوب جم کر محنت کی اور اللہ نے توفیق دی تو علم اور صلاحت میں اضافہ ہوتا چلا گیا“، یہ اسی کا ثمرہ تھا کہ آپ نے جن اداروں میں بھی فریضۂ تدریس ادا کیا وہاں کے طلبہ آپ سے مطمئن رہے، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں محض ایک سال پڑھایا مگر آپ کی یادداشت میں لکھا ہے کہ ”مدرسۃ الاصلاح میں یہ پر مشقت تدریسی سال اس طرح نباہ دیا کہ طلبہ مطمئن اور خوش رہیں۔“

جامعہ اسلامیہ میں میرا داخلہ ہوا تو بہت خوش ہوئے، پوچھا کہ کس کلیہ میں داخلہ لوگے، میں نے اپنی ذاتی رغبت اور دلچسپی کی بنیاد پر کہا کہ میرا ارادہ تو کلیۃ اللغۃ العربیۃ میں پڑھنے کا ہے، مگر آپ نے کہا کہ کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ لو، اس وقت زیادہ ضرورت اس کی ہے، لیکن میں نے اپنی طبیعت اور مزاج کو دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ لغویات ہی میرے لیے زیادہ موزوں ہے سو میں اپنے فیصلے پر قائم رہا، بعد میں بتایا تو کہا کہ چلو بہتر ہے، اپنی مرضی اور رغبت کے بموجب میدان اختیار کرنا چاہیے، ماجستیر میں داخلہ ہوا تو والدین کو خبر کرنے کے بعد سب سے پہلے آپ کو خوش خبری سنائی، بہت خوش ہوئے اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔

مدینہ رہتے ہوئے میں اکثر رابطہ کرتا اور خیر خیریت دریافت کرتا، جب بھی فون کرتا تو یہی کہتے کہ بڑی خوشی ہوئی کہ تم لوگوں سے بات ہو گئی، کب آنا ہے؟ پتہ نہیں ملاقات ہوگی یا نہیں؟ میں کہتا کہ دادا! ضرور ملاقات ہوگی، اللہ آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، کہتے کہ طبیعت، دن بدن بگڑتی جارہی ہے، کمزوری کا غلبہ ہے، لیکن الحمدللہ علی کل حال، پھر تعلیمی سرگرموں کے بارے میں دریافت کرتے، موسم کے متعلق پوچھتے، پھر کہتے کہ دعا میں یاد رکھنا۔ دادا سے یہی آٹھ دس منٹ رسمی سی باتیں ہوتیں مگر اس کے بعد دادا خوش ہو جاتے اور مجھے بھی بڑا اچھا محسوس ہوتا، پچھلی مرتبہ گھر جانے سے تقریباً ایک ماہ قبل بات ہوئی تھی، اس وقت یادداشت سلامت تھی، حسب سابق انہوں نے کہا کہ پتہ نہیں اب ملاقات ہو سکے گی یا نہیں؟ میں بہت شدت سے منتظر ہوں، مگر جب میں گھر پہنچا اور ملاقات کے لیے گیا تو اب یادداشت تقریباً ختم ہو چکی تھی، نہیں معلوم کہ پہنچان سکے یا نہیں۔

کس قدر وہ رات بھاری تھی ترے بیمار پر
چارہ گر اٹھ اٹھ کر سوئے آسماں دیکھا کیے

دادا نے ایک عالم باعمل کے طور پر زندگی گذاری، ایسی زندگی جو زہد وتقویٰ اور ورع سے معمور رہی، صوم وصلاۃ کی پابندی، تلاوت، اذکار، نوافل وتہجد کا حد درجہ اہتمام، منہیات، غیبت، بدکلامی وبدزبانی سے سختی سے احتراز، چھوٹوں سے شفقت ومحبت، بڑوں، مہمانوں، رشتہ داروں کی تکریم اور ان کے ساتھ حسن سلوک، مخالفین ومعاندین سے اعراض وتغافل، یہی کل ان کی صفات تھیں، آپ کے زہد وورع کی بہت ساری مثالیں ہیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں، بس یوں سمجھئے کہ اوامر کی پابندی اور نواہی سے پرہیز سے ان کی زندگی عبارت تھی، ان کی وفات کے بعد زہد وتقویٰ کی کچھ ایسی مثالیں سامنے آئیں جنہیں سن کر میں حیران رہ گیا، کیوں کہ یہ بظاہر ایسی معمولی چیزیں تھیں جو شاید عوام تو کجا خواص بھی ان کو نظر انداز کردیں مگر مرحوم نے وہاں بھی پایۂ استقامت اختیار کیا جہاں بڑے بڑے سورماؤں کے پیر اور نیت پھسل جاتی۔

دادا اب ہمارے درمیان نہیں رہے اور ہم سے جدا ہوئے 2 مہینے سے زیادہ ہوگئے، ہم نے ان کے متعدد روپ دیکھے، ایک شفیق دادا، ایک مہربان والد، ایک اصول پسند شخص، ایک مخلص بزرگ، ایک زاہد وعابد، ایک مرنجا مرنج ہستی، اور نہ جانے آپ کی شخصیت کے کتنے روپ تھے، بایں موقع میں آپ کے لیے رئیس احمد جعفری کے الفاظ مستعار لوں گا جو انہوں نے اپنے مرحوم استاد مولوی حیدر حسن خان کے بارے میں کہا تھا ''ہمارے لیے تعین مشکل ہے کہ وہ ہمارے کیا تھے، ہم ان کے کیا تھے، ہم ان کی خاک پا بھی نہیں تھے لیکن، وہ ہمارے لیے سب کچھ تھے، بہت کچھ تھے، اور ایسے کچھ تھے جس کا بیان لفظ وعبارت کی مدد سے ناممکن ہے۔''

تھوڑی سی اجازت بھی اے بزم گہ ہستی
آ نکلے ہیں دم بھر کو رونا ہے رلانا ہے

اللہ تعالیٰ دادا مرحوم کی تمام خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کی بشری لغزشوں کو درگذر کرے، قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، نیز ان بیٹیوں کو جزائے خیر دے جنہوں نے آپ کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور زبان پر حرف شکایت لائے بغیر شبانہ روز آپ کی تیمارداری اور دیکھ بھال میں اپنا آرام، سکون، نیند سب کچھ تج دیا، آمین إنه سميع قريب مجيب الدعوات.

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

☆☆☆

اخبار جامعہ

مولانا ابوصالح دل محمد سلفی

جامعہ سلفیہ بنارس میں 77واں جشن یوم آزادی:

سابقہ روایات کے مطابق بتاریخ 15 اگست 2023ء بروز منگل جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں 77 واں یوم آزادی کا جشن بڑے تزک واحتشام اور مسرت و شادمانی کے ساتھ منایا گیا۔ پرچم کشائی کی رسم صبح نو بجے جامعہ کے خوبصورت گراؤنڈ میں مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظ اللہ (جنرل سکریٹری جامعہ سلفیہ بنارس) کے ہاتھوں ادا کی گئی۔ پھر سہیل اختر محمد منظور عالم اور اس کے رفقاء (خورشید شمس، محمد عارف، محفوظ عالم، منیر ظفر) نے قومی ترانہ پڑھا۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ کی صدارت میں ''لکچر ہال'' میں آزادئ ہند کے موضوع پر ایک بہترین پروگرام منعقد ہوا۔

پروگرام میں جامعہ کے ہونہار طلبہ نے جنگ آزادی اور آزاد ہندوستان کے موضوع پر نظمیں، ترانے اور تقریریں پیش کیں۔

اخیر میں جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ نے پرمغز صدارتی خطاب پیش فرمایا، آپ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ آج پندرہ اگست ہے، اسی دن ہمارا ملک آزاد ہوا تھا، آج 77 واں یوم آزادی ہے، ہم اس کا جشن منا رہے ہیں، آپ تمام حاضرین اور ملک کے جملہ باشندگان کو 77 واں یوم آزادی مبارک ہو۔ ہمارا ملک بڑی جدوجہد کے بعد آزاد ہوا ہے، آزادی کے لئے ہمارے اسلاف نے جانی ومالی ہر طرح کی قربانیاں دی ہیں، لہذا ہم اپنے آزاد ملک کے تحفظ کے لئے عقلمندی و دانشمندی کا مظاہرہ کریں اور سوجھ بوجھ سے کام لیں۔

ملک کی آزادی کی تاریخ سے سبق ملتا ہے کہ اپنے مستقبل کو روشن کرنے اور حصول علم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انہماک اور سخت محنت کی ضرورت ہے۔ بغیر محنت کے کامیابی کی امید رکھنا بے وقوفی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى'' انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ جدوجہد کرتا ہے۔

پروگرام کے اختتام پر تمام حاضرین کے درمیان مٹھائیوں کی تقسیم عمل میں آئی۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے ایک طالب علم نے ملک کا نام روشن کیا:

جامعہ سلفیہ بنارس اپنی تاسیس کے پہلے ہی دن سے معیاری تعلیم و تربیت، گراں قدر تصنیف و تالیف اور گوناگوں دینی وعلمی خدمات سے معروف ومقبول اور مثالی ادارہ رہا ہے، چنانچہ یہاں کے اساتذہ کرام اور متعلمین و

فارغین ملک اور دنیا کے متعدد ممالک میں مختلف اوقات میں نمایاں وشاندار اور متنوع علمی کارکردگی سے اس کا ثبوت پیش کرتے رہتے ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس کا ایک ہونہار طالب علم عزیزم حافظ ابراہیم فہیم شہبندری نے مکہ مکرمہ میں 117 ملکوں کے 166 منتخب و ممتاز حفاظ و قراء کے درمیان 25 اگست 2003ء کو ہونے والے عالمی مسابقہ ''مسابقة الملك عبدالعزيز الدولية لحفظ القرآن الكريم " کے پانچویں گروپ میں دوسری پوزیشن حاصل کی ہے، جس کا اعلان 6 ستمبر 2023م، مکہ مکرمہ میں رات کو کیا گیا، یقیناً اس عظیم الشان تاریخی کامیابی سے جامعہ سلفیہ بنارس اور ملک عزیز ہندوستان کا نام روشن وبلند ہوا ہے۔

مسرت وشادمانی کے اس حسین گھڑی میں محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ نے صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد جامعہ کے تمام مخلص اساتذہ کرام ومعاونین کا دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کیا، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ جامعہ کے طلبہ کو مزید کامیابی و بلندی عطاء فرمائے، اور علمی حسن کارکردگی سے جامعہ اور ملک کا نام روشن کرنے کی مزید توفیق دے۔آمین۔

برنامج اتقان کا تیسرا پروگرام:

"برنامج الإتقان لتنمية المهارات العلمية والثقافية" کا تیسرا پروگرام بتاریخ 17 اگست 2023م، بروز جمعرات، بوقت بعد نماز عشاء، بمقام ''قاعة المحاضرات'' بعنوان ''موجودہ حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں'' زیر صدارت فضیلۃ الشیخ عبداللہ زبیر سلفی حفظہ اللہ منعقد ہوا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

پروگرام کا آغاز ضیاء القمر تبارک علی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، بعد ازاں محفوظ عالم عبدالجبار نے نعت نبی پڑھی۔اس کے بعد محمد شاکر محی الدین نے اردو تقریر بعنوان: ''ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں'' اور فیضان احمد انسان علی نے مقالہ بعنوان: ''موجودہ حالات میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کی اور عبدالواحد عبدالمجید نے ''حالات بدل سکتے ہیں: ایک مطالعہ'' نامی کتاب کا خلاصہ پیش کیا۔الحمد للہ جامعہ کے ہونہار طلبہ نے مذکورہ علمی وتحقیقی عناوین پر روشنی ڈالنے میں بہت ہی بہترین اور کامیاب کوششیں کیں۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

پھر سامعین سے غنودگی دور کرنے اور مجلس کو تازہ دم کرنے کے لئے منیر ظفر الدین نے بہترین آواز وانداز میں ایک نظم پڑھی۔اس کے بعد ''کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ؟'' کے عنوان سے ایک بہترین اور کامیاب ڈبیٹ درج ذیل چھ طلبہ کے درمیان ہوا۔

محمد مرتضی، سمیجا ارشاد، محمد صابر، شمس الدین ابوشحمہ، عبداللہ سہل عبدالحفیظ، محمد امین۔

ڈبیٹ میں معترضین کا دندان شکن جواب دیتے ہوئے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا ہے بلکہ اسلام اپنے محاسن وخوبیوں اور اپنی روشن تعلیمات سے پھیلا ہے۔جس میں پیارے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور

اچھے برتاؤ کا کلیدی رول رہا ہے۔

اخیر میں صدر مجلس مولانا عبد اللہ زبیر صاحب سلفی حفظہ اللہ کا صدارتی خطاب ہوا۔ جس میں انہوں نے پروگرام کو کامیاب قرار دیتے ہوئے پروگرام میں حصہ لینے والوں کی محنت کو سراہا اور منتظمین کے حق میں حوصلہ افزا کلمات کہے اور موضوع کے انتخاب نیز ڈبیٹ کی بڑی تعریف کی، اور قیمتی ومفید نصیحت کرتے ہوئے طلبہ کو مزید محنت اور لگن کے ساتھ پڑھنے کی تلقین کی۔

اس کے بعد برنامج اتقان کے مشرف فضیلۃ الشیخ اسرار احمد ندوی حفظہ اللہ کے ہاتھوں مشارکین پروگرام کے درمیان کتابوں کی شکل میں انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔ نظامت کا فریضہ کلیۃ الحدیث سال اخیر کے متحرک ونشیط طالب علم فاروق انصاری نے بحسن وخوبی انجام۔

’’سلسلۃ المحاضرات العلمیۃ‘‘ کا تیسرا پروگرام

’’سلسلۃ المحاضرات العلمیۃ‘‘ کا تیسرا پروگرام بتاریخ 14 اگست 2023م، بروز سوموار، بوقت بعد نماز عشاء، بمقام ’’قاعۃ المحاضرات‘‘ بعنوان: ’’اخلاق طالب العلم‘‘ زیر صدارت محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبد اللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ منعقد ہوا۔ اس پروگرام کے مہمان خصوصی اور محاضر جماعت کے معروف ومقبول اور معتبر عالم دین فضیلۃ الدکتور وصی اللہ عباس سلفی ومدنی حفظہ اللہ استاذ جامعہ ام القریٰ و مدرس مسجد حرام، مکہ مکرمہ تھے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

پروگرام کا آغاز کلیۃ الشریعۃ سال اول کے طالب علم محمد امین محمد حیدر کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔

اس کے بعد پروگرام کے مہمان خصوصی ومحاضر محترم ڈاکٹر وصی اللہ عباس سلفی و مدنی حفظہ اللہ نے ’’أخلاق طالب العلم‘‘ کے عنوان پر اپنا قیمتی ومفید محاضرہ پیش فرمایا۔ جس کو طلبہ نے بغور سنا اور خوب استفادہ کیا۔ آپ نے سب سے پہلے موضوع کی اہمیت وضرورت اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس سے متعلق متقدمین علماء کرام کی لکھی ہوئی چند کتابوں کی رہنمائی کی اور فرمایا کہ ان کتابوں کا مطالعہ علماء وطلبہ کے لئے بڑا مفید ہوگا۔ اس کے بعد درج ذیل اہم اور قیمتی نکات پر طلبہ کو پر مغز نصیحت فرمائی:

(الف) اساتذہ وطلبہ کے لئے اخلاص نیت از حد ضروری ہے، اخلاص نیت کا تقاضہ ہے کہ علماء وطلبہ حاصل کردہ علم پر عمل کریں اور علمی وعملی کسی بھی طرح کے فخر وغرور اور کبر ومباہات سے کلی طور پر احتراز واجتناب کریں۔

(ب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کو مختلف پہلوؤں سے اجاگر کرتے ہوئے طلبہ سے فرمایا کہ ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو پیش نظر رکھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے خود کو مزین کرے۔

(ج) ہر طالب علم کو چاہیے کہ وہ بکثرت تلاوت قرآن کرے اور اپنی زبان کو ہمہ وقت ذکر الٰہی سے تر ومعطر رکھے نیز اپنی زبان کو صاف ستھری رکھے اور سب وشتم، غیبت وچغل خوری، کذب وافتراء وغیرہ رذائل سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

(د) طلبہ کو چاہئے کہ وہ شفقت ومحبت اور رحم دلی وخیر خواہی جیسی صفات سے متصف ہوں، ہر طالب علم کو چاہئے

کہ وہ اپنے کسی بھائی کو کسی بھی طرح کی کوئی تکلیف اپنے قول وعمل سے ہرگز ہرگز نہ دے۔

(ھ) طلبہ کے اندر مختلف اوقات میں متعدد قسم کی خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں۔ لہذا طلبہ کو چاہئے کہ وہ اس معاملہ میں متنبہ و چوکنا رہیں اور اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھیں اور کسی بھی طرح کی ہوا پرستی سے خود کو محفوظ رکھیں۔

(و) طلب علم کی راہ انتہائی مشکل ترین اور پر پیچ ہوتی ہے، حصول علم میں کٹھنائیاں اور مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ لہذا طلبہ کو چاہئے کہ صبر و ضبط کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ طلب علم میں بے صبری انتہائی خطرناک اور مضر ونقصان دہ ہوتی ہے۔

(ز) علم بڑی محنتوں سے حاصل ہوتا ہے، اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ لہذا ہر طالب علم کو چاہئے کہ حاصل کردہ علم کو مضبوطی سے یاد کر کے اپنے سینوں میں اور لکھ کر کے کاپیوں اور ڈائریوں میں اچھی طرح محفوظ کرلے۔

(ح) دعا ایک عظیم عبادت ہے، کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کی راہ میں دعا کا بڑا ہی اہم کردار اور اثر ہوتا ہے۔ اس لئے ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ زیادتی علم کے لئے بکثرت دعا کرے۔

(ط) دور تلمذی اور حصول علم میں تقوی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ لہذا ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ فرائض کی پابندی، سنن کا اہتمام جیسے نیک اعمال کر کے اور معصیت و نافرمانی سے اجتناب کر کے تقوی وطہارت کی روش اختیار کرے۔

(ی) انسانی زندگی میں خصوصا تعلیم وتعلم کی زندگی میں وقت ایک انمول شیء اور گراں قدر نعمت الٰہی ہے۔ لہذا ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ وقت کی قدر کرے، اس کا صحیح استعمال کرے اور فضول کاموں میں اپنے قیمتی وقت کو ضائع نہ کرے۔

اس کے بعد صدر مجلس محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ نے صدارتی خطاب پیش فرمایا۔ آپ نے اپنے صدارتی خطاب میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اس کے بعد مہمان خصوصی اور محاضر محترم ڈاکٹر وصی اللہ عباس سلفی و مدنی حفظہ اللہ کا شکریہ اداء کیا، اور ان کا جامع تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ بھی اسی جامعہ سلفیہ بنارس کے خوشہ چینوں میں سے ہیں، آپ نے ذاتی محنتوں اور اپنی صلاحیتوں سے ارتقائی منازل طے کئے اور آج آپ کا دنیا کے معروف ومقبول اور مستند ومعتبر علماء میں شمار ہوتا ہے۔

طلبہ کو قیمتی نصیحت کرتے ہوئے صدر مجلس نے ڈاکٹر وصی اللہ عباس سلفی و مدنی حفظہ اللہ کو تعلیم وتعلم کے میدان میں مثالی شخص قرار دیا اور طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ بھی پڑھائی میں خوب محنت کریں، جامعہ کی علمی فضا سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور اپنے اساتذہ کرام اور لائبریری سے جتنا زیادہ ہو سکے کسب فیض کریں، ان شاء اللہ کامیابی آپ کی قدم بوسی کرے گی اور آپ کا مستقبل بھی روشن ہوگا۔

نظامت کا فریضہ جامعہ کے ہونہار طالب علم فوزان عبدالحلیم نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ پروگرام میں محترم ناظم

اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ کے علاوہ اساتذہ کرام حفظھم اللہ میں شیخ الجامعہ فضیلۃ الشیخ محمد مستقیم صاحب سلفی۔ نائب شیخ الجامعہ فضیلۃ الدکتور عبدالصبور ابوبکر صاحب مدنی، مجلس تعلیمی کے صدر فضیلۃ الدکتور عبدالحلیم بسم اللہ صاحب مدنی، مفتی جامعہ فضیلۃ الشیخ نورالھدی صاحب سلفی، برنامج اتقان کے مشرف فضیلۃ الشیخ اسرار احمد صاحب ندوی اور راقم الحروف (ابوصالح دل محمد سلفی، مدیر العلاقات الأمة) وغیرہ موجود تھے۔

''سلسلة المحاضرات العلمية'' کا چوتھا پروگرام:

''سلسلة المحاضرات العلمية'' کا چوتھا پروگرام بتاریخ 24 اگست 2023م، بروز جمعرات، بوقت بعد نماز عشاء، بمقام ''قاعة المحاضرات'' بعنوان: ''الآثــار البــاقية للعلوم النافعة'' زیر صدارت محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ منعقد ہوا۔ اس پروگرام کے مہمان خصوصی اور محاضر گرامی علمی دنیا کے معروف ومقبول اور مستند سلفی عالم دین عزت مآب ڈاکٹر عبد الکریم بن عیسیٰ الرحیلی حفظہ اللہ (استاذ العقیدہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) تھے۔ آپ عالم عرب کے متحمس سلفی عالم دین ہیں، فن عقیدہ کے متخصص ہیں، عقیدہ کے باب میں درجنوں کتابوں کے مؤلف ہیں۔ تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ، اصلاح وارشاد اور القائے دروس میں آپ کو ید طولی حاصل ہے، سعودی عرب کے علاوہ کویت، بحرین، قطر، ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ ممالک میں دروس کے لئے آپ بلائے جاتے ہیں۔

آپ نے ''الآثــار البــاقية لــلعــلــوم الــنــافــعة'' کے عنوان پر پوائنٹ ٹو پوائنٹ بڑا ہی جامع و مدلل اور انتہائی مفید درس دیا۔ جس کو طلبہ نے بڑی توجہ اور انہماکی سے سنا اور خوب استفادہ کیا۔ خواہشمند حضرات درس کو جامعہ سے شائع ہونے والے دونوں ماہنامہ مجلوں (عربی مجلّہ ''صوت الأمة'' اور اس کا اردو ترجمہ اردو مجلّہ 'محدث'') میں پڑھ سکتے ہیں۔

درس کے فورا بعد جامعہ کے چند ہونہار طلبہ نے سوالات کئے جن کا تشفی بخش اور مدلل جواب ڈاکٹر موصوف حفظہ اللہ نے دیا۔ فجزاہ اللہ خیرا وبارک فیہ۔

سوالات اور سوال کرنے والے طلبہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) سوال: قالَ النبی صلی الله علیه وسلم: الإحسان: أنْ تَعبُدَ اللهَ كَأنّكَ تَراهُ، فإنْ لَمْ تَكُنْ تَراهُ فإنّه يَراكَ"

فكيف نرى ربنا سبحانه وتعالى بأعيننا فی هذه الدنيا؟

سائل: عبدالکریم بن بادل شیخ رکلیۃ الدعوہ سال دوم

(۲) سوال: تارك الصلاة تكاسلا؛ هل يقال له كافر؟

سائل: نیازالدین بن جلام الدین رکلیۃ الدعوہ سال اول

(۳) سوال: قول النبی علیه الصلاة والسلام: "أو علم ينتفع به" هل المراد به العلم الشرعی فقط أم يشمل العلوم الدنيوية؟

سائل: فوزان حلیم بن عبدالحلیم رکلیۃ الشریعۃ سال دوم

(۴) سوال: مـا هـو مـوقف أهل العلم من

إثبات صفات الله عز وجل التي لم يرد فيها نفي ولا إثبات؟

سائل: أسامة أمين بن أمين الله رکلیۃ الحدیث سال اول

(۵) سوال: هل الآثار النافعة بعد الموت تبقى بالتصنيف فقط أم بإلقاء الدروس والمحاضرات؟

سائل: أحمد خان بن عباد اللہ خان رعالم اول

(۶) سوال: هل يجوز الدعاء عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كما تفعله الفرقة البريلوية؟

سائل: محمد أمین بن محمد حیدر رکلیۃ الشریعۃ سال اول

(۷) سوال: كيف يمكن لنا أن نحفظ جيدا كل ما نقرأ ونطالع؟

سائل: مقصود عالم بن معرفت علی رکلیۃ الحدیث سال اخیر

(۸) سوال: الجن يروّعنا ويخدعنا هل هذا صحيح؟ وهل ورد فيه دليل؟

سائل: محمد مصطفیٰ بن محی الدین رکلیۃ الدعوۃ سال دوم

اس کے بعد ''سلسلۃ المحاضرات العلمیۃ'' کے مشرف فضیلۃ الدکتور عبدالحلیم بسم اللہ صاحب مدنی حفظہ اللہ نے محاضر گرامی ڈاکٹر عبدالکریم بن عیسیٰ الرحیلی کا شکریہ ادا کیا اور ان کے حق میں دعائیہ کلمات کہے، ڈاکٹر موصوف نے بھی جامعہ کے جملہ اساتذہ کرام و ذمہ داران بطور خاص محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی، ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ صاحب مدنی اور ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر صاحب مدنی حفظھم اللہ ورعاھم کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا، نیز جامعہ سلفیہ بنارس کی تعلیمی وتربیتی، دعوتی واصلاحی اور تصنیفی و تالیفی خدمات کو سراہتے ہوئے جامعہ سے اپنے قلبی لگاؤ کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ جامعہ سلفیہ بنارس ملک کا سلفی مرکزی ادارہ ہے۔ جس سے امت مسلمہ کو فیض مل رہا ہے۔

مکہ مکرمہ میں منعقد عالمی کانفرنس میں مولانا اسعد اعظمی صاحب کی شرکت:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سعودی حکومت کو یہ غیر معمولی شرف وسعادت حاصل ہے کہ اس کی تاسیس امت مسلمہ کے ایسے مخلصین کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے۔ نیز اب تک اس ملک کو صلاحیت وصالحیت سے متصف امت کے ایسے باکمال وباشعور افراد کی قیادت وسیادت اور اشراف ونگرانی حاصل رہی ہے جنہوں نے احقاق حق وابطال باطل میں اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تعلیمات کتاب وسنت کی نشر واشاعت، گونا گوں دینی خدمات اور معاشرتی وسماجی کارنامے اس ملک کی نمایاں خوبی اور امتیازی خصوصیت رہی ہیں۔

سعودی حکومت کی ایک قابل ذکر ولائق ستائش اور گراں قدر کارنامہ یہ ہے کہ وہ اپنے قیام کے وقت ہی سے اسلامی بنیادوں پر امت مسلمہ کو متحد ومتفق کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں وخواہاں رہی ہے۔ پوری دنیا کے علمائے کرام ومشائخ عظام اور ان کے ذریعہ پوری دنیا کے مسلمان کتاب وسنت کی بنیاد پر امت واحدہ کیسے بن جائیں؟ اس کے لئے سعودی حکومت ہمیشہ موقع بموقع ملکی وعالمی پیمانہ پر کانفرنسیں وسمینار اور مجلسیں ونشستیں منعقد کرتی رہتی ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک بہت ہی اہم کڑی مکہ مکرمہ میں تیرہ وچودہ اگست ۲۰۲۳ء

بروز اتوار وسوموار سعودی عرب کے مذہبی امور کے زیر اشراف واہتمام عالمی کانفرنس بعنوان: ''دینی امور اور فتویٰ کے اداروں نیز علماء ومشائخ وغیرہ کے ساتھ باہم ربط'' کا انعقاد تھا، جس میں بلا اختلاف مسلک ومنہج اور بلا امتیاز عرب وعجم دنیا کے پچاس ملکوں سے ایک سو پچاس سے زائد علمائے کرام، مفتیان عظام اور دینی تنظیموں کے سربراہان ونمائندگان اور ماہر ریسرچ اسکالروں نے شرکت کی۔

اس عظیم الشان تاریخی کانفرنس میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے سینئر استاذ فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی صاحب حفظہ اللہ نے شرکت کی اور یہ دنیا بھر کے ان بتیس (۳۲) مقالہ نگاروں میں سے ایک تھے جنہوں نے کانفرنس کی متعدد نشستوں میں اپنے اپنے مقالات کا خلاصہ پیش فرمایا۔ شیخ اعظمی صاحب کے مقالہ کا عنوان تھا: ''الاعتصام بالكتاب والسنة النبوية تأصيلا وجهودا'' جس کا خلاصہ انہوں نے کانفرنس کی چوتھی نشست میں پیش کیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبۂ حفظ کے طلبہ کے درمیان حفظ قرآن کا انعامی مسابقہ:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے شعبۂ حفظ ''مدرسہ زید بن ثابت'' کے طلبہ کے اندر حفظ قرآن میں جذبۂ مسابقت وپختگی پیدا کرنے اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لئے ۳۰/اور ۳۱/اگست ۲۰۲۳ء بروز بدھ وجمعرات بحکم وہدایت محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ حفظ قرآن کا انعامی مسابقہ منعقد کیا گیا جو پانچ زمروں پر مشتمل تھا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلا زمرہ: بیس پارہ یا اس سے زیادہ حفظ کرنے والے طلبہ کے لئے

دوسرا زمرہ: پندرہ پارہ یا اس سے زیادہ حفظ کرنے والے طلبہ کے لئے

تیسرا زمرہ: دس پارہ یا اس سے زیادہ حفظ کرنے والے طلبہ کے لئے

چوتھا زمرہ: پانچ پارہ یا اس سے زیادہ حفظ کرنے والے طلبہ کے لئے

پانچواں زمرہ: نورانی قاعدہ کے ساتھ ناظرہ قرآن مکمل کرنے والے مبتدی طلبہ کے لئے

مذکورہ پانچوں زمروں میں پہلی، دوسری، تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے نقد رقم کی شکل میں انعامات مختص تھے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

انعام پہلا زمرہ:

پہلا انعام:	4000/-	ذیشان محمد علی آزاد
دوسرا انعام:	3000/-	فرحان انصاری بن واحد
تیسرا انعام:	2000/-	محمد زید اشتیاق احمد

انعام دوسرا زمرہ:

پہلا انعام:	3000/-	ریحان یوسف محمد یوسف
دوسرا انعام:	2000/-	حنظلہ احمد آصف احمد
تیسرا انعام:	1000/-	محمد اذلان ضیاء الدین

انعام تیسرا زمرہ:

پہلا انعام:	2000/-	آفتاب انصاری ظل الرحمٰن
دوسرا انعام:	1000/-	امان اسامہ اسامہ عظیم
تیسرا انعام:	800/-	یوسف روشن جمال

انعام چوتھا زمرہ:

پہلا انعام:	1500/-	فرحان احمد غفران احمد
دوسرا انعام:	800/-	محمد زفر محمد شمیم
تیسرا انعام:	600/-	محمد عیان نثار احمد

انعام پانچواں زمرہ:

پہلا انعام:	1000/-	عمر فاروق محمد شافعی
دوسرا انعام:	600/-	عادل فراض نور محمد فراض
تیسرا انعام:	400/-	محمد امان اللہ کمال الدین

الحمد للہ مسابقہ مجموعی اعتبار سے بڑا کامیاب اور حوصلہ افزا رہا، جس کے اچھے نتائج واثرات مرتب ہوئے۔

مذکورہ مسابقہ میں حکم کا فریضہ درج ذیل علماء کرام وحفاظ کرام نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ فجزاھم اللہ خیرا وبارک فیھم۔

فضیلۃ الشیخ حافظ ریاض احمد صاحب سلفی حفظہ اللہ
حافظ عبدالرحیم صاحب سلفی حفظہ اللہ
حافظ عبدالشکور صاحب سلفی حفظہ اللہ
حافظ عبدالرحیم صاحب سلفی حفظہ اللہ
حافظ دانش جمال صاحب سلفی حفظہ اللہ
حافظ عبدالواحد صاحب عالیاوی حفظہ اللہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقد تعلیمی انعامی مقابلہ میں جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ حافظ عبدالرحیم صاحب سلفی بنارسی کی شرکت:

تعلیمی وتربیتی، دعوتی واصلاحی اور سماجی ورفاہی خدمات انجام دینے میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا کردار یقیناً گراں قدر اور مثالی ہے۔ مسلم قوم کو بدعات وخرافات اور جہالت وضلالت سے نجات دلانے اور خالص کتاب وسنت کی تعلیمات سے ان کو روشناس کرانے میں ممبئی جمعیت اہل حدیث کی خدمات ونشاطات اور کارنامے قابل ذکر ولائق ستائش ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی 19 و 20 اگست 2023م، بروز ہفتہ واتوار تعلیمی انعامی مقابلہ کا انعقاد ہے۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا اپنی نوعیت کا یہ ایک عظیم الشان پروگرام تھا۔ جس کا مقصد قوم کے زیر تعلیم نونہالوں کے اندر تجوید کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت وحفظ کرنے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے کا شوق ودلچسپی پیدا کرنا تھا، اسی طرح قوم کے حفاظ وقراء کی حوصلہ افزائی کرنا نیز امت مسلمہ کو کتاب و سنت سے وابستہ کر کے فلاح دارین سے ہمکنار کرنا تھا۔

مذکورہ تعلیمی انعامی مقابلہ کے مسابقہ حفظ قرآن مع تجوید میں جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبہ حفظ "مدرسہ زید بن ثابت" کے ذمہ دار استاذ حافظ عبدالرحیم صاحب سلفی بنارسی حفظہ اللہ نے بحیثیت حکم شرکت کی۔ آپ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی طرف سے حکم کا فریضہ انجام دینے کے لئے مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھے۔

(بقیہ صفحہ: ۸۰ پر)

☆☆☆

باب الفتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں ان مسائل کے بارے میں کہ: مقروض شخص پہلے قرض کی ادائیگی کرے گا یا زکوٰۃ دے گا؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب.

قرض ایک بوجھ ہے اس لیے پہلے اس سے چھٹکارا پانا ضروری ہے۔ دور اندیشی اسی میں ہے کہ مال بچا کر نہ رکھے بلکہ قرض ادا کر دے، اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو وہ شخص ''مطل الغني ظلم ''(البخاري: الحوالات، باب إن أحال دين الميت على رجل جاز وإذا أحال على ملي فليس له رد، برقم: ٢٢٨٨، مسلم: المساقات، باب تحريم مطل الغني، برقم: ٤٠٠٢)(مالدار کا ٹال مٹول ظلم ہے) کی وعید میں گرفتار ہو جائے گا۔

امام بخاری نے صحیح بخاری (۱۹۲/۱) میں لکھا ہے کہ: "لا صدقة إلا عن ظهر غنى ومن تصدق وهو محتاج أو أهله محتاج أو عليه دين فالدين أحق أن يقضى من الصدقة". (البخاري، الزكوة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى) صدقہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مالداری کو باقی رکھتے ہوئے ہو اور جس نے صدقہ کیا اور وہ محتاج ہے یا اس کے اہل محتاج ہیں یا اس کے اوپر قرض ہے تو صدقہ کرنے سے زیادہ مناسب ہے کہ وہ پہلے قرض ادا کرے۔

امام بخاری کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی کے اوپر قرض ہو تو پہلے قرض کی ادائیگی ضروری ہے اس کے بعد صدقہ وزکوٰۃ۔ اسی طرح ایک حدیث میں رسول ﷺ نے فرمایا کہ "خير الصدقة ما كان على ظهر غنى" (البخاري، النفقات، باب وجوب النفقة على الأهل والعيال، برقم: ٥٣٥٦) بہتر صدقہ وہ ہے جو مالداری کی پشت سے ہو (یعنی مالداری باقی رکھتے ہوئے ہو) پس قرض دار کو پہلے قرض دینا واجب اور ضروری ہے، لیکن اگر وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے اور قرض دار کو نہ دے کر زکوۃ دیتا ہے تو اس طرح ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے وہ شخص عاصی اور گنہگار رہوگا۔ اس لیے پہلے قرض سے چھٹکارا حاصل کرے، اس کے بعد اگر مال بچتا ہے اور وہ حد نصاب کو پہنچ بھی جائے تب زکوۃ واجب ہوگی۔

ہاں! قرض دینے والا شخص اگر قرض کی ادائیگی میں بخوشی مہلت دے تو مقروض شخص زکوۃ ادا کرنے کے بعد قرض ادا کر سکتا ہے۔

سوال: جب کوئی شخص یا ماں باپ حالت نماز میں اپنے شیر خوار بچے کو آگ یا بجلی کے تار کی طرف جاتا ہوا

دیکھیں یا مسہری/ پلنگ سے گرتا ہوا دیکھیں تو کیا کریں؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب.

اگر نمازی کو نماز کے دوران قدرے عمل کی ضرورت پیش آجائے، مثلاً دروازہ کھولنا وغیرہ، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ نمازی کا رخ قبلہ سمت سے ہٹنے نہ پائے۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ابوداود رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ بند تھا۔ جب میں آئی اور دروازہ کھلوایا تو آپ ﷺ نے چل کر میرے لئے دروازہ کھول دیا اور پھر اپنی جائے نماز پر واپس چلے گئے۔ (روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ وہ دروازہ قبلہ کی سمت میں تھا) (سنن ابی داود:۹۲۲، وصحیح ابی داود: ۸۱۵)

اسی طرح ماں باپ کو نماز کے دوران اپنے کمسن بچہ کو خطرہ یا مصیبت سے بچانے کی ضرورت پیش آجائے تو حالت نماز میں دائیں بائیں یا آگے پیچھے تھوڑی سی حرکت کر لینے سے اس کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

یا اسی طرح اگر نماز کی حالت میں نمازی کی چادر گر جائے تو وہ اسے اٹھا سکتا ہے، یا اگر اس کا ازار کھل جائے تو اسے باندھ سکتا ہے۔ شریعت نے نمازی کے لئے بعض حالات میں یہ جائز ٹھہرایا ہے کہ وہ زیادہ حرکت بھی کرے، اگر چہ اس کا رخ قبلہ کی سمت سے ہٹ جائے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آیا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز میں دو کالی چیزوں یعنی سانپ اور بچھو کو مارو''۔ (سنن ابی داود: ۹۲۱، صحیح ابی داود: ۸۱۴)

اسی طرح نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو دفع کرنا، بلکہ اصرار پر اسے زبردستی روکنا بھی درست ہے، جیسا کہ 'صحیح بخاری' میں ابوصالح السمان کی حدیث میں مذکور ہے، انہوں نے بیان کیا کہ: ''میں نے ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے دن دیکھا کہ وہ کسی چیز کو سترہ کے طور پر لوگوں سے آڑ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے۔ بنی ابی معیط کے ایک نوجوان نے ان کے آگے سے گزرنا چاہا، تو انہوں نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکا دیا۔ جب اس نوجوان نے دیکھا کہ ان کے سامنے سے گزرنے کے سواء نکلنے کی کوئی دوسری جگہ نہیں ہے تو اس نے دوبارہ گزرنے کی کوشش کی۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس بار پہلے کی بہ نسبت زیادہ شدت کے ساتھ اس کو دھکا دیا۔ وہ نوجوان ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گیا (یعنی اس نے آپ کو برا بھلا کہا) پھر وہ خلیفہ مروان کے پاس گیا اور اس سے ابوسعید رضی اللہ عنہ کے رویہ کی شکایت کی۔ اس کے پیچھے پیچھے ابوسعید رضی اللہ عنہ بھی مروان کے پاس جا پہنچے، تو مروان نے آپ سے پوچھا: اے ابوسعید! آپ اور آپ کے (اس) بھتیجے کے درمیان کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو لوگوں سے آڑ کے طور پر سترہ بنا کر نماز پڑھ رہا ہو، پھر کوئی اس کے سامنے سے گزرنا چاہے تو اس کو دفع کرنا چاہئے۔ اگر نہ مانے تو اس کے ساتھ زبردستی (لڑائی) کرنی چاہئے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (البخاری مع الفتح: ۱/۵۸۲)

اسی طرح یہ بھی وارد ہے کہ جب کسی نمازی کو اس کی نماز کے دوران سلام کیا جائے تو وہ اشارہ سے جواب دے

دے، جیسا کہ صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے، انہوں نے بیان کیا کہ: ''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے اشارہ سے جواب دیا۔ (سنن ابی داود: ۹۲۵، صحیح ابی داود: ۸۱۸)

کئی حدیثوں میں اس اشارہ کی کیفیت بھی مروی ہے۔ مثال کے طور پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، انہوں نے بیان کیا کہ: ''رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے مسجد قباء تشریف لے گئے۔ آپ کے پاس کچھ انصار آئے، اور انہوں نے آپ ﷺ کو حالت نماز میں سلام کیا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ: آپ نے رسول اللہ ﷺ کو حالت نماز میں کس طرح سلام کا جواب دیتے ہوئے دیکھا ہے؟ فرمایا کہ: آپ ﷺ ایسے کرتے تھے، یہ کہہ کر انہوں نے اپنی ہتھیلی کھول دی۔ ایک راوی جعفر بن عون نے (یہ حدیث بیان کرتے ہوئے) اپنی ہتھیلی کھول دی، اور اس کا اندرونی حصہ نیچے کی طرف رکھا اور پشت اوپر کی جانب رکھی۔ (سنن ابی داود: ۹۲۷، صحیح ابی داود: ۸۲۰)

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

ابوعفان نور الہدیٰ عین الحق سلفی

☆☆☆

(بقیہ صفحہ: ۷۷)

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقد تعلیمی بیداری کانفرنس میں محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ کی شرکت:

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقد 19 و 20 اگست 2023م، بروز ہفتہ واتوار ''تعلیمی انعامی مقابلہ'' میں حفظ قرآن کریم وحفظ کتاب التوحید کے مسابقہ میں پوزیشن ونمایاں نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ اور مشارکین کے درمیان انعامات تقسیم کرنے نیز مسلم قوم میں تعلیم کی تحریک وتحریض پیدا کرنے کے لئے حج ہاؤس ممبئی میں ''تعلیمی بیداری کانفرنس''، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ہی کے زیر اشراف منعقد ہوئی۔ جس میں ملک کے مشہور اور بڑے جامعات کے اعلی ذمہ داران اور مشاہیر علمائے کرام نے شرکت کی۔

''تعلیمی بیداری کانفرنس'' کے اس عظیم الشان پروگرام میں فضیلۃ الشیخ عبدالسلام صاحب سلفی (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) حفظہ اللہ وتولاہ کے اصرار مسلسل وتقاضائے متواتر اور جماعت کے احباب واخوان کی خواہش پر محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ نے ناسازی طبع اور کثیر مشغولیات کے باوجود شرکت فرمائی۔ کانفرنس میں آپ کا پرتپاک استقبال کیا گیا، اور ممبئی کی جماعت وجمعیت نے آپ کی آمد کو باعث عز وشرف خیال کیا۔ آپ کے ہاتھوں پوزیشن لانے والے اور ممتاز نمبرات سے کامیابی حاصل کرنے والے قوم کے ہونہار اور خوش نصیب طلبہ کو انعامات دیئے گئے۔

☆☆☆

PRINTED BOOK

ISSN 2394-0212

September & October 2023

Vol.XL No.09 & 10

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

جامعه سلفیه بنارس کی جدید مطبوعات

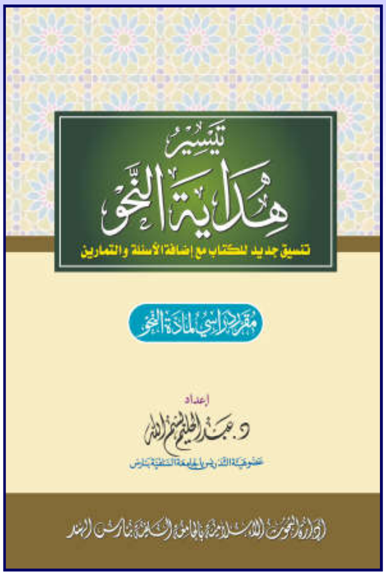

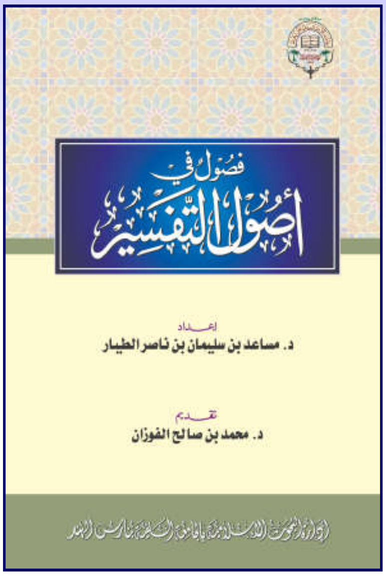

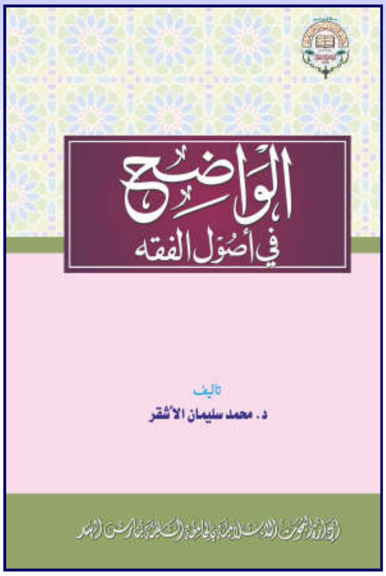

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.